

علم بلاغت کی مختصر اور جامع کتاب

دُرُوسُ الْعَرَبِيَّةِ

کام فہم ترجمہ و توضیح

تفہیم السلاطین

ترجمہ و توضیح

مولانا محمد صدیق ہزاروی

مکتبہ اہلسنت

جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور



علم بلاغت کی مختصر اور جامع کتاب
دروس البلاغہ
کا عام فہم ترجمہ و توضیح

تفہیم البلاغہ

ترجمہ و توضیح

مولانا محمد سعیدی ہزاروی

مکتبہ اسلامیہ سعیدیہ ♦ مانسہرہ

جملہ حقوق بحق مترجم محفوظ ہیں



☆ نام کتاب

﴿ترجمہ و توضیح دروس البلاغہ﴾

☆ مترجم : مولانا محمد صدیق ہزاروی

☆ صفحات 156

☆ ہدیہ

☆ کیپوزنگ : محمد واحد بخش سعیدی

☆ ناشر : مکتبہ اسلامیہ سعیدیہ

جامعہ اسلامیہ حنفیہ عثمان آباد

داخلی چمڑھ ڈاک خانہ چمڑھ بٹہ ضلع مانسہرہ

واحد تنظیم کار اور ملنے کا پتہ

مکتبہ تنظیم المدارس

جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور

فون : 7657842-7634478

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دروس البلاغۃ، علم بلاغت کی ایک مختصر مگر جامع کتاب ہے جو تنظیم المدارس کے نصاب کے مطابق طلباء کو درجہ رابعہ میں پڑھائی جاتی ہے جب کہ طالبات کے لیے یہ کتاب درجہ عالیہ کے نصاب میں شامل ہے۔

اس کتاب کے حوالے سے طالبات کے بعض حلقوں کی طرف سے پریشانی کا اظہار کیا گیا جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ طلباء کو پڑھانے والے اساتذہ علم بلاغت کی تمام کتب متداولہ پڑھنے اور پڑھانے کی وجہ سے وسیع تجربہ رکھتے ہیں جب کہ طالبات وایسی اساتذہ میسر نہیں ہیں۔

لہذا قواعد کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ عبارت کو مع ترجمہ سمجھنا دوہری ذمہ داری بن جاتی ہے اور ماہر اساتذہ کا نہ ہونا طالبات کے لیے مزید پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ اس لیے راقم نے مناسب سمجھا کہ اس کتاب کا عام فہم ترجمہ اور توضیح اردو میں کر دی جائے تاکہ طالبات بلاغت کے قواعد کو آسانی سمجھ سکیں اور امتحانی ایام میں طلباء بھی استفادہ کر سکیں نیز اسکے علاوہ دیگر اہل ذوق حضرات بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

محمد صدیق ہزاروی

۱۹ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۲ھ ۸ ستمبر ۲۰۰۱

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر	نمبر شمار	صفحہ نمبر
1	مقدمہ (فصاحت و بلاغت)	9	18	علم معانی
2	فصاحت	9	19	تعریف
3	کلمہ میں فصاحت	9	20	علم معانی کی تقسیم
4	تتافر حروف	9	21	پہلا باب (خبر و انشاء)
5	مخالفت قیاس	10	22	حکوم علیہ اور حکوم بہ
6	غرائب	10	23	خبر کا بیان
7	فصاحت کلام	11	24	قائد خبر
8	تتافر کلام	11	25	لازم قائد خبر
9	ضعف تالیف	12	26	خبر کی دوسری اغراض
10	تعقید	12	27	خبر کی صورتیں
11	فصاحت متکلم	14	28	خبر کی اقسام
12	بلاغت	14	29	الفاظ تاکیدیہ
13	بلاغت کلام	14	30	انشاء کا بیان
14	حال و مقام	15	31	انشاء طلبی کی اقسام
15	مقتضی اور اعتبار مناسب	15	32	امر
16	بلاغت متکلم	15	33	امر کے صیغوں کا دوسرے
17	بلاغت کے لیے ضروری امور	15	34	معانی میں استعجال
				نہی

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار	صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
33	حروفِ نداء	53	25	دوسرے معانی میں استعمال	35
35	حروفِ نداء کا اصلی معنی	54	26	استفہام	36
36	نشہ و تیرہ طبعی	55	26	ہمزہ	37
36	ذکر و حذف	56	28	حل	38
36	ذکر کے اسباب	57			
38	حذف کے اسباب	58	28	حل کی دو قسمیں	39
41	تقدیم و تاخیر	59			
41	اسباب تقدیم و تاخیر	60	28	ما	40
45	تعریف و تکریم	61	29	من	41
45	ضمیر	62	29	متنی	42
46	علم	63	29	آیان	43
46	اسم اشارہ	64	29	کیف	44
48	اسم موصول	65	29	آین	45
51	معرف باللام	66	30	آنی	46
52	معرفہ کے لیے مضاف	67	30	کم	47
52	اضافت کی اغراض	68	30	آئی	48
55	مزدوق	69	30	کلمات استفہام کا دیگر	49
55	نکرہ	70	32	معانی میں استعمال	
55	اغراض نکرہ	71	32	تمنی	50
57	ظاہر و تعہید	72	33	حروف تمنی	51
				نداء	52

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر	نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
73	مطلق و مقید کا حکم	57	93	قصر اضافی کی اقسام	67
74	حکم کو مطلق و مقید لانا	57	94	طرز قصر	68
75	تفصیل	57	95	وصل اور فصل	69
76	مفاعیل وغیرہ	58	96	وصل کے دو مقام	69
77	نواح	59	97	مقامات فصل	70
78	شرط	60	98	ایجاز اظہار اور مساوات	74
79	ان اذاء اور لو میں فرق	60	99	دواعی	75
80	ان اور اذ میں فرق	61	100	اقسام ایجاز	76
81	لو کا استعمال	62	101	اقسام اظہار	78
82	جملہ شرطیہ کا مقصود ذاتی	62	102	(خاتمہ) مقتضائے ظاہر	83
83	نقی کے ساتھ مقید	62	103	کے خلاف کلام	93
84	حروف نفی	63	104	علم بیان	93
85	لم اور لما میں فرق	63	105	تشبیہ	93
86	توابع کے ساتھ حکم کو مقید کرنا	64	106	ارکان تشبیہ	93
87	نعت	64	107	اقسام تشبیہ	95
88	عطف بیان	65	108	ایک اور تقسیم	97
89	عطف نسق	66	109	وجہ تشبیہ کے اعتبار سے تقسیم	98
90	بدل	66	110	حرف تشبیہ کے اعتبار سے تقسیم	99
91	قصر	66	111	تشبیہ کی اغراض	100
92	قصر کی تقسیم	66	112	تشبیہ مقلوب	102
			112	مجاز کا بیان	103

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
121	استخدام	132	104	استعارہ اور مجاز مرسل میں فرق
122	اسطراد	133	104	استعارہ
123	افتتان	134	105	استعارہ کی تقسیم
124	جمع	135	108	مجاز مرسل
124	تفریق	136	110	مجاز مرکب
125	تقسیم	137	111	مجاز عقلی
126	طبی اور زہری	138	112	کنایہ
127	ارسال مثل اور کلام جامع	139	112	کنایہ کی اقسام
128	مبالغہ	140	116	علم بدیع
129	مغایرت	141	116	مخونات معنویہ
130	تاکید مدح مشابہ ذم	142	116	توریہ
131	تاکید ذم مشابہ مدح	143	117	ابہام
132	تجرید	144	117	توجیہ
133	حسن تعلیل	145	118	طباق
134	اختلاف اللفظ مع المعنی	146	119	مقابلہ
135	مخونات لفظیہ	147	119	ترجیع
135	تشابہ الاطراف	148	120	ادماج
136	جناس	149	120	استنباع
140	تصدیر	150	121	مراعات النظر

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار	صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
149	اقتباس	161	142	جمع	151
150	تسمین	162	143	قلب	152
151	عقد و حل	163	143	علم	153
152	تلمیح	164	143	تشریح	154
153	حسن ایضاد	165	144	مواریثہ	155
153	براعتہ استحصال	166	145	استعارات اللفظ مع اللفظ	156
153	حسن تخلص	167	145	مرقعات کلام	157
154	براعتہ الطلب	168	145	نسخ اور انتحال	158
154	حسن انتہاء	169	147	اغارہ و مخ	159
			148	المسام و سلخ	160

جہاں نظر بند دی دہا ہے مات آج تک وہیں وہیں عمر ہوئی جہاں جہاں گزر گئے



بسم الله الرحمن الرحيم

مقدمہ (فصاحت و بلاغت)

فصاحت:

فصاحت کا لغوی معنی بیان اور ظہور ہے۔ جب کسی بچے کا کلام واضح اور ظاہر ہو جائے تو کہا جاتا ہے۔

أَفْصَحُ الصَّبِيِّ فِي مَنْطِقِهِ بچہ اپنی گفتگو میں فصیح (فصاحت والا) ہو گیا۔ (یعنی اس کا کلام فصیح واضح ہو گیا)

اصطلاح میں: فصاحت کلمہ کلام اور متکلم کی صفت واقع ہوتی ہے۔

نوٹ: کلمہ کلام اور متکلم کی فصاحت کا تفصیلی بیان آگے آرہا ہے۔
کلمہ میں فصاحت:

کلمہ میں فصاحت اس کلمہ کا تنافر حروف، مخالفت قیاس اور غرابت سے خالی ہونا ہے۔

تنافر حروف:

تنافر کلمہ میں ایک ایسا وصف ہے جو اس کلمہ کو زبان پر ثقیل بنا دیتا ہے۔ اور اس کا بولنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جیسے

انطش کلمہ دربی جگہ کو کہا جاتا ہے۔

الہعنعج وہ سبزی جسے اونٹ چرتے ہیں۔

النقاج پیٹھے اور صاف پانی کو کہا جاتا ہے۔

الْمُسْتَشْرِدُ : بٹی ہوئی رسی یا گندھے ہوئے بال۔
(ان حروف کو زبان پر لانے سے بوجھ محسوس ہوتا ہے)

مخالفتِ قیاس :

جب کوئی کلمہ صرنی قانون کے مطابق جاری نہ ہو تو یہ مخالفتِ قیاس ہے۔ مثلاً
متنبی شاعر کا شعر ہے۔

فَإِنْ يَكُ بَعْضُ النَّاسِ سَيْفًا لِّدَوْلَةٍ فَفِي النَّاسِ بُؤُوقَاتُ لَهَا وَطَبُؤُ
پس اگر بعض لوگ دولت کے لیے سیف (تلوار) ہوں تو لوگوں میں ان کے
لیے باجے اور ڈھول ہوں گے۔

(یہاں لفظ بوق کی جمع بوقات آئی ہے) جب کہ قیاس کے مطابق اس کی جمع
قلت ابواق آتی ہے)

اسی طرح شاعر کا قول ہے :

إِنَّ بَيْتِي لِلنَّامِ زَهْدُهُ مَا لِي فِي صُدُورِهِمْ مِنْ مَوَدَّةٍ
بے شک میرے بیٹے کینوں کے لیے زاہد ہیں تو میرے لیے ان کے دل میں
کوئی محبت نہیں۔

قیاس (صرنی قاعدے) کا تقاضا تھا کہ مودد فیس (پہلی دال کا فتح واؤ کو دے
کر دال کا دال میں) ادغام کر کے مَوَدَّةً پڑھتے لیکن یہاں خلاف قیاس استعمال ہوا ہے۔
غرابت :

کلمہ کی غرابت یہ ہے کہ اس کا معنی ظاہر نہ ہو جیسے تَكَأْتَا اس کا معنی اجتمع (جمع ہوا) ہے اور افرق نفع کا معنی انصرف (پھر گیا) ہے اطلعنم کا معنی اشتد (سخت ہوا)

ہے۔

چونکہ اس طرح کے الفاظ اعلیٰ عرب میں رائج نہیں اس لیے اس کے معانی ظاہر و مشہور نہیں ہے۔

نصاحت کلام:

کلام میں نصاحت یہ ہے کہ وہ کلمات کے اجتماع سے پیدا ہونے والے توافر و صف تالیف اور تعقید سے خالی ہو اور اس کے کلمات بھی فصیح ہوں۔

تفاخر کلام:

کلام میں تفاخر ایک ایسا وصف ہے جس سے کلام زبان پر بھاری ہو جاتا ہے۔ اور بولتا مشکل ہو جاتا ہے۔ جیسے

فِي رَفْعِ عَرْشِ الشَّرْعِ مِثْلَكَ يَشْرَعُ
وَلَيْسَ قُرْبُ قُرْبٍ حَرْبٍ قَبْرُ
كَرِيمٍ مَتَى أَمْدَحُهُ أَمْدَحُهُ وَالْوَرَى مَعِي
وَإِذَا مَا لَمْتُ لَمْتُ وَحْدِي

شریعت کے تخت کو بلند کرنے میں تیری طرح کا بلند کرتا ہے اور حرب کی قبر کے قریب کوئی قبر نہیں۔

وہ ایسا کریم ہے کہ جب میں اس کی تعریف کرتا ہوں تو ایسی حالت میں تعریف کرتا ہوں کہ مخلوق میرے ساتھ جوتی ہے اور جب میں اسے ملامت کرتا ہوں تو اکیلا ہی ملامت کرتا ہوں۔

یہاں قرب، قبر، امدحہ اور لمتا اپنی اپنی جگہ فصیح ہیں لیکن ان کے جمع ہونے

سے نقل ہو گیا تو یہ کام میں قائل ہے۔

ضعف تالیف:

مشہور نحوی قانون کے خلاف جاری ہو تو اسے ضعف تالیف کہتے ہیں۔ جیسے
لفظاً اور رتباً دونوں اعتبار سے اضمار قبل الذکر ہو۔

نوٹ: جس کی طرف ضمیر لوٹی ہے اسے ضمیر کا مرجع کہتے ہیں مثلاً جاء زيد وهو
راكب زيد آیا اس حال میں کہ وہ سوار تھا۔ تو هو ضمیر کا مرجع زید ہے۔ قانونیہ ہے کہ جمع
پہلے اور ضمیر بعد میں ہو جس طرح یہاں ہے اگر ضمیر پہلے ہو اور مرجع بعد میں ہو تو یہ اضافہ
الذکر ہوتا ہے جو جائز نہیں البتہ ضمیر کا مرجع لفظ ضمیر سے بعد ہو لیکن رتبہ کے اعتبار سے پہلے
ہو تو جائز ہے۔

جیسے شاعر کا قول ہے

جَزَى بَنُوهُ أَبَا الْغِيلَانِ عَنْ كَبَرٍ

وَحُسْنِ فِعْلٍ كَمَا يُجْزَى سَمَارٍ

ابو غیلان کے بیٹوں نے اس کے بوڑھے ہونے کے بعد اور اچھے سلوک کے

باد جو دایا سبدلہ دیا جیسے سمار نامی عمار کو بدلہ دیا گیا۔

یہاں ”بنوہ“ کی ضمیر مجرد ”ہ“ ابو الغیلان کی طرف لوٹی ہے کیونکہ اسی کے بیٹوں

کا ذکر ہے اور ضمیر پہلے ہے جب کہ ابو الغیلان کا ذکر بعد میں ہے یہ اضمار قبل الذکر ہے۔

تعقید:

مرادی معنی پر کلام کی دلالت خفی (پوشیدہ) ہو اور یہ پوشیدگی یا تو لفظی اعتبار سے

ہوگی جیسے تقدیم یا تاخیر یا فصل کے سبب سے ہو تو اسے تعقید لفظی کہتے ہیں۔

جیسے مثبتی کا قول ہے۔

جَفَحْتُ وَهُمْ لَا يَجْفَحُونَ بِهَا بِهِمْ

شِيمَ عَلَى الْحَسْبِ الْاَغْرَ دَلَائِلْ

ممدوح کے اخلاق نے فخر کیا حالانکہ وہ خود اپنے اخلاق پر فخر نہیں کرتے تو یہ علی حسب و نسب پر دلیل ہے۔

اس عبارت کی تقریر یوں ہے

جَفَحْتُ بِهِمْ شِيمَ دَلَائِلْ عَلَى الْحَسْبِ الْاَغْرَ وَهُمْ لَا يَجْفَحُونَ بِهَا

یعنی بہم کو مؤخر کیا گیا وہم کو مقدم کیا اسی طرح وہم لا یجفحون بہا کو مقدم کیا اور شیم اور دلائل کے درمیان علی الحسب الاغر کے ذریعے فصل کیا گیا۔ تو یہ تعقید لفظی ہے۔

یا مجاز اور کنایہ کے استعمال سے معنی میں پوشیدگی ہو اور مراد سمجھ نہ آئے تو یہ تعقید معنوی ہے جیسے

نَشَرَ الْمَلِكُ السِّتَةَ فِي الْمَدِينَةِ

بادشاہ نے شہر میں اپنی زبانیں پھیلا دیں تو زبانوں سے اس کے جاسوس مراد ہیں۔ حالانکہ واضح عبارت یہ ہے کہ ”نشر سیتہ“ اس نے اپنے مددگار پھیلا دیئے۔ اسی طرح شاعر کا قول ہے

سَاطَلِبُ بَعْدَ الدَّارِ عَنْكُمْ لِتَقْرُبُوا

وَتَسْكُبُ عَيْنَايَ الدُّمُوعَ لِتَجْمُدَا

عنقریب میں تم لوگوں سے مکان کی دھڑکی چاہوں گا تاکہ تم لوگ قریب ہو جاؤ اور میری آنکھیں آنسو بہائیں گی تاکہ وہ خشک ہو جائیں۔

جب آنکھیں خشک ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آنکھوں نے رونے میں بخل سے کام لیا جب کہ یہاں آنکھوں کے خشک ہونے سے خوشی مراد ہے یعنی انسان جو چہ چاہتا ہے اس کے خلاف ہوتا ہے۔ لہذا اب میں محبوب کا فراق چاہوں گا اور رونے سے باز رہوں گا تا کہ محبوب کی ملاقات ہو۔ تو محبوب کی ملاقات سے حاصل ہونے والی خوشی کے لیے ایسے الفاظ استعمال کیے جن سے معنی پوشیدہ ہو گیا اسے تعقید معنوی کہتے ہیں۔

فصاحت متکلم:

یہ ایک ایسا ملکہ (قوت) ہے جس کے ذریعے متکلم فصیح کلام کے ساتھ اپنے مقصود کو بیان کرنے پر قادر ہوتا ہے وہ کلام جس غرض میں بھی ہو۔

بلاغت

بلاغت کا لغوی معنی پہنچنا اور انتہا ہے کہا جاتا ہے ”بلغ فلان مرادہ“ (فلان شخص اپنی مراد کو پہنچا) یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ اس تک پہنچے۔ اور جب سوار شہر تک پہنچے تو کہا جاتا ہے ”بلغ الراكب المدينة“ سوار شہر تک پہنچ گیا (یعنی اس کے سفر کی انتہا ہو گئی)

اصطلاحی طور پر بلاغت کلام اور متکلم کی صفت واقع ہوتی ہے (کلمہ کی صفت نہیں ہوتی)

بلاغت کلام

کلام کا مقتضائے حال کے مطابق ہونا بلاغت کلام ہے جب کہ وہ کلام فصیح بھی ہو۔

حال

حال کا دوسرا نام مقام ہے اور یہ ایسی بات ہے جو متکلم کو خاص صورت میں کہلائے
لانے پر مجبور کرتی ہے۔ مثلاً مخاطب منکر ہو تو متکلم تاکید کی کلام کرتا ہے۔

مقتضیٰ حال اور اعتبار مناسب

یہ اس مخصوص صورت کو کہتے ہیں جس کے مطابق عبارت لائی جاتی ہے۔ اسے
مقتضیٰ بھی کہتے ہیں اور اعتبار مناسب بھی۔

مثلاً: تعریف ایک حال (حالت) ہے جو طویل کلام کا تقاضا کرتی ہے اور مخاطب کا
سمجھدار ہونا ایک حال ہے جو کلام کے مختصر ہونے کا تقاضا کرتا ہے پس مدح اور سمجھداری
دونوں حال ہیں اور طوالت و اختصار مقتضیٰ ہیں اور کلام کو طوالت اور اختصار کی صورت میں
لانا مقتضائے حال کی مطابقت ہے۔

بلاغت متکلم

بلاغت متکلم ایک ایسا ملکہ ہے جس کے ذریعے متکلم بلیغ کلام کے ساتھ اپنا
مقصود بیان کرنے پر قادر ہوتا ہے اس کی غرض کوئی بھی ہو۔

بلاغت کے لیے ضروری امور

تافر حروف کی پہچان ذوق سلیم کے ذریعے ہوتی ہے۔

مخالفت قیاس کی پہچان علم صرف سے ہوتی ہے۔

ضعف تالیف اور تعقید لفظی کی پہچان علم نحو سے ہوتی ہے۔

غرابت کی پہچان عربی کلام کے بارے میں کثرت معلومات کے ذریعے ہوتی

تعمید معنوی کی پہچان علم بیان کے ذریعے ہوتی ہے۔
 اور احوال و مقتضیات کی پہچان علم معانی کے ذریعے ہوتی ہے۔
 لہذا ابلاغت کے طالب علم کے لیے علم لغت، علم صرف، علم نحو، علم معانی اور علم بیان
 کا جاننا نیز تسلیم ذوق کا پایا جانا اور عربی کلام سے زیادہ واقف ہونا ضروری ہے۔

علم معانی

تعریف:

علم معانی وہ علم ہے جس کے ذریعے عربی الفاظ کے ان احوال کی پہچان حاصل
 ہوتی ہے جن کی وجہ سے مقتضائے حال کی مطابقت پائی جاتی ہے۔
 لہذا احوال کے مختلف ہونے کی وجہ سے کلام کی صورتیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔
 جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

وَإِنَّا لَا نَسْتَعِزُّ بِأَشْرَارٍ يُرِيدُ بَسْمَنَ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا
 اور بے شک ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے لیے شر کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان
 کے رب نے ان کے لیے ہدایت کا ارادہ فرمایا۔

لفظ ”أَمْ“ سے پہلے کلام کی صورت ”أَمْ“ سے بعد والے کلام کی مخالف صورت
 ہے۔ کیونکہ پہلے والی صورت میں فعل (أُرِيدَ) مجہول ہے اور ام کے بعد والی صورت میں یہ
 فعل معروف ہے (پہلے أُرِيدَ اور بعد میں أَرَادَ ہے) پس یہ حال دوسری صورت میں خبر کی
 نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف چاہتا ہے اور پہلی صورت میں شر کی نسبت کو اللہ تعالیٰ کی طرف
 ہونے سے منع کرتا ہے۔

لم معانی کی تقسیم:

علم معانی کے بیان میں آنحضرت باب اور ایک خاتمہ ہے

پیلا باب (خبر اور انشاء)

ہر کلام دو قسموں میں تقسیم ہوتا ہے

(۱) خبر (۲) انشاء

خبر: وہ کلام ہے جس کے کنبے کو چایا جھوٹا کہنا صحیح ہو۔ جیسے ”سافر زید“

(زید نے سفر کیا) اور ”بکر مقیم“ (بکر مقیم ہے)

انشاء: وہ کلام جس کے قائل کو چایا جھوٹا نہ کہہ سکیں وہ انشاء ہے۔ جیسے ”سافر یا زید“

(زید! سفر کرو) اقم یا بکر (بکر! مقیم ہو جا)

صدق خبر:

خبر کے صدق (سچ) سے مراد یہ ہے کہ وہ واقع کے مطابق ہو۔

کذب خبر:

خبر کے کذب (جھوٹ) ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ واقع کے مطابق نہ ہو۔

پس جملہ ”بکر مقیم“ میں اقامت کی بکر کی طرف نسبت اگر خارج کے

مطابق ہے یعنی واقعی بکر مقیم ہے تو یہ صدق ہے اور اگر خارج میں ایسا نہیں ہے تو یہ جھوٹ

ہے۔

محکوم علیہ اور محکوم بہ:

ہر جملے کے دو رکین ہوتے ہیں ایک کو محکوم علیہ کہا جاتا ہے اور دوسرے کو محکوم بہ۔

محکوم مایہ کو مسند الیہ بھی کہتے ہیں جیسے فاعل نائب فاعل اور مبتدا جس کی خبر ہو اور

محکوم بہ کو مسند بھی کہتے ہیں جیسے فعل اور وہ مبتدا جس کے مرفوع پر اکتفاء کیا گیا ہو (یہ مبتدا کی دوسری قسم ہے یعنی حرف نفی یا حرف استفہام کے بعد واقع ہونے والی صفت جو اسم ظاہر کو رفع دیتی ہے جیسے أَقَائِمُ الزَّيْدَانِ اور أَقَائِمُ الزَّيْدُونَ اس میں قَائِمٌ صفت مسند ہے لیکن مبتدا ہے اور الزَّيْدَانِ فاعل بھی ہے اور خبر بھی)

خبر کا بیان:

نوٹ: یہاں خبر سے مراد جملہ خبریہ ہے مبتدا کے مقابل خبر مراد نہیں۔ (۱۲ ہزاروی)

خبر جملہ فعلیہ ہوتی ہے یا جملہ اسمیہ

جملہ خبریہ:

اس بات کے لیے وضع کیا گیا کہ مخصوص زمانے میں اختصار کے ساتھ (فعل کے) حدوث کا فائدہ دے جیسے ضَرَبَ زَيْدٌ (زید زمانہ ماضی میں ضرب کو عمل میں لایا) بعض اوقات یہ استمرار تجدیدی کا فائدہ دیتا ہے جب اس بات پر کوئی قرینہ ہو اور فعل مضارع ہو (فعل کا بار بار ہونا استمرار تجدیدی ہے)

جیسے شاعر کا قول ہے

أَوْ كَلَّمَا وَرَدَتْ عُكَاطُ قَيْلَةٍ

بَعَثُوا إِلَى عَرَبِيهِمْ يَتَوَسَّمُ

کیا جب کبھی عکاظ کے بازار میں کوئی قبیلہ اترے گا تو میرے پاس اپنے سرسوار کو بھیجے گا جو علامت طلب کرے گا۔

جملہ اسمیہ: صرف مسند کو مسند الیہ کے لیے ثابت کرنے کے لیے وضع کیا گیا

جیسے الشَّمْسُ مُضِيئَةٌ جو راجع روشن ہے (سورج کے لیے روشنی کو ثابت کیا)

بعض اوقات کسی قرینہ کی وجہ سے استمرار کا فائدہ بھی دیتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کی خبر میں فعل نہ ہو جیسے **اَلْعِلْمُ نَافِعٌ** علم (ہمیشہ) نفع دیتا ہے۔

فائدہ خبر

جملہ خبریہ اصل میں دو باتوں کے لیے آتا ہے۔

(۱) مخاطب کو اس بات کی خبر دینا جس پر جملہ مشتمل ہے اسے فائدہ خبر کہتے ہیں جیسے
حَضْرَا لَامِيْرُ امير حاضر ہوا۔

لازم فائدہ خبر

(۲) مخاطب کو اس بات کی خبر دینا کہ متکلم کو مضمون جملہ کا علم ہے اسے لازم فائدہ خبر کہتے ہیں جیسے **”حَضْرَتِ اَمْسٍ“** تم کل آئے۔ مخاطب کو اس بات کا پہلے سے علم ہے صرف یہ بتایا جا رہا ہے کہ متکلم کو اس بات کا علم ہے۔

خبر کی دوسری اغراض

(۱) طلب رحم جیسے حضرت موسیٰ علیہ نے عرض کیا۔

رَبِّ اِنِّیْ لَمَّا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرِ فَقِیْرٌ

اے میرے رب! تو نے جو بھلائی میری طرف نازل کی ہے میں اس کا محتاج ہوں۔

(۲) کمزوری کا اظہار۔ جیسے حضرت زکریا علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا۔

رَبِّ اِنِّیْ وَهْنُ الْعِظْمِ مَیْنِیْ - اے میرے رب میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں

(۳) اظہار افسوس۔ جیسے حضرت عمران کی بیوی نے کہا۔

رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ

یا اللہ! میرے ہاں بچی پیدا ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو پیدا ہوئی۔

(۴) خوشی کا اظہار۔ اچھی بات کے آنے اور برائی کے جانے پر خوشی کا اظہار۔

جیسے جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ حَقٌّ آیا اور باطل چلا گیا

(۵) اظہار مسرت۔ جس آدمی کو علم ہوا اسے ترقی کے انعام کی خبر دینے کا مقصد مسرت

کا اظہار ہے۔

اَخَذْتُ جَائِزَةَ التَّقَدُّمِ میں نے ترقی کا انعام پایا۔

(۶) تویح (جھڑکنے) کے لیے جیسے جھوٹ بولنے والے سے کہا جائے۔

الشَّمْسُ طَالِعَةٌ سورج طلوع ہو چکا ہے۔

نوٹ: ان تمام صورتوں میں فائدہ خبر یا لازم فائدہ خبر مقصود نہیں ہے۔

خبر کی تین صورتیں ہیں:

(۱) تاکید سے خالی ہو (۲) تاکید حسن ہو واجب نہ ہو (۳) تاکید واجب ہو

تفصیل: جب خبر دینے والے کا مقصد مخاطب کو خبر کا فائدہ پہنچانا ہو تو اسے ضرورت کے

مطابق کلام کرنا چاہیے تاکہ وہ لغو اور فضول بات سے بچ جائے (لہذا تین صورتیں ہوں گی)

(۱) اگر مخاطب خالی الذہن ہو (منکر یا شک کرنے والا نہ ہو) تو اسے تاکید کے بغیر

خبر دے۔ جیسے اَخْوَك قَادِمٌ تیرا بھائی آنے والا ہے۔

(۲) اگر مخاطب کو تردد ہو اور خبری معرفت کا طالب ہو تو تاکید کر کر کے اچھا ہے جیسے

اِنَّ اَخَاكَ قَادِمٌ (بے شک تیرا بھائی آنے والا ہے)

(۳) اگر مخاطب منکر ہو تو ایک یا زیادہ تاکید فی الفاظ کے ذریعے تاکید ضروری ہے جس

درجہ کا انکار ہو اسی درجہ کی تاکید ہو۔ جیسے۔

اِنْ اَحَاك قَادِمٌ بے شک تیرا بھائی آنے والا ہے۔ (پہلا درجہ)
 اِنَّهٗ لَقَادِمٌ بے شک وہ ضرور آنے والا ہے (دوسرا درجہ)
 وَاللهِ اِنَّهٗ لَقَادِمٌ اللہ کی قسم بے شک وہ ضرور آنے والا ہے (تیسرا درجہ)
 پہلی صورت میں ”اِنْ حرف“ تاکید ہے دوسری صورت میں ”اِنْ اور لام“ دو
 حروف تاکید ہیں اور تیسری صورت میں ”والله (قسم) اِنْ اور لام“ تین تاکیدیں ہیں۔

خبر کی اقسام:

خبر کے تاکید سے خالی ہونے اور تاکید پر مشتمل ہونے کے حوالے سے تین

اقسام ہیں۔

(۱) ابتدائی: جب مخاطب خالی الذہن ہو۔

(۲) طلبی: جب مخاطب کو تردد اور شک ہو۔

(۳) انکاری: جب مخاطب منکر ہو۔

الفاظ تاکید:

تاکید کے لیے یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

اِنْ، اَنَّ، اَلَام، ابتداء حروف تنبیہ (اَلَا، هَا، اَمَّا) قسم، نون تاکید، ثقیلہ نون تاکید
 خفیفہ حروف زائدہ حروف تکریر، قد اور اما شرطیہ۔

انشاء کا بیان:

انشاء کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں۔

(۱) انشاء طلبی: وہ انشاء جس میں مطلوب کی طلب ہو جب کہ وہ طلب کے وقت

حاصل نہ ہو۔

(۲) انشاء غیر طلبی: جس میں طلب نہ ہو۔

انشاء طلبی کی اقسام:

انشاء طلبی کی پانچ قسمیں ہیں

(۱) امر (۲) نہی (۳) استفہام (۴) تمنی (۵) ندا

امر: اپنے آپ کو بلند مرتبہ سمجھتے ہوئے دوسرے آدمی سے کسی کام کی طلب کو امر کہتے ہیں اور اس کے چار صیغے ہیں۔

(۱) فعل امر: جیسے خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ کتاب کو مضبوطی سے پکڑو (خُذْ امر کا صیغہ ہے)

(۲) مضارع جس سے لام ملی ہوئی ہے: جیسے لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّنْ مَّعْتَبَةٍ چاہیے کہ مالدار اپنی طاقت کے مطابق خرچ کرے۔ (یہاں لِيُنْفِقْ مضارع کا صیغہ ہے اور اس کے ساتھ لام امر متصل ہے)

(۳) فعل امر کا اسم: جیسے "حَتَّىٰ عَلَى الْفَلَاحِ" فلاح کی طرف آؤ (حَتَّىٰ اسم امر ہے)

(۴) مصدر جو فعل امر کا نائب ہو: جیسے سَعِيَ فِي الْخَيْرِ بَهْلًا کے لیے کوشش کرو (یہاں لَفْظُ سَعِيَ مصدر ہے جو فعل امر کے قائم مقام ہے)

امر کے صیغوں کا دوسرے معانی میں استعمال:

بعض اوقات امر کے صیغے اپنے اصلی معنی سے نکل کر دوسرے معانی میں استعمال ہوتے ہیں اور اس بات کا علم سیاق کلام اور احوال کے قرائن سے حاصل ہوتا ہے وہ معانی یہ ہیں۔

(۱) دعا: جیسے رَبِّ اَوْزِعْنِي اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ اے میرے رب! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیری نعمتوں کا شکر ادا کروں۔ (یہاں اَوْزِعْنِي امر کا صیغہ دعا کے معنی میں)

استعمال ہوا)

(۲) التماس: جیسے کوئی شخص اپنے برابر کے آدمی سے کہے۔

أَعْطِنِي الْكِتَابَ مَجْهً كِتَابِ دُو (یہاں اَعْطِنِی امر کا صیغہ التماس کے لیے

مستعمل ہے)

(۳) تمنی: جیسے شاعر کا قول ہے

أَلَا أَيُّهَا اللَّيْلُ الطَّوِيلُ أَلَا أَنْجَلِي

بُصْبُحٍ وَمَا الْإِصْبَاحُ مِنْكَ بِأَمْثَلِ

سنو! اے لمبی رات سنو صبح کے ساتھ روشن ہو جاؤ اور صبح بھی تم سے زیادہ اچھی

نہیں۔ (یہاں ”انْجَلِی“ امر کا صیغہ تمنا اور آرزو کے لیے استعمال ہوا)

(۴) ارشاد (رہنمائی) جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُبَ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ

بِالْعَدْلِ

جب تم ایک مقرر وقت تک قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو اور چاہیے کہ

تمہارے درمیان لکھنے والا انصاف سے لکھے۔ (یہاں فَاكْتُبُوهُ امر کا صیغہ رہنمائی کے لیے

ہے)

(۵) تہدید (جھڑکنا) جیسے ارشاد خداوندی ہے

اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ جَوْدِلْ چاہیے کرو

(یہاں اَعْمَلُوا امر کا صیغہ جھڑک کے طور پر استعمال ہوا)

(۶) تعجیز (کسی کی عاجزی ظاہر کرنا) جیسے

يَا بَكْرُ اَنْشُرُوْا لِيْ كَلِيْبًا

يَا بَكْرُ اَيْنَ اَيْنَ الْغُرَارُ

ہائے بکر مجھے کلیب کے مقابلے میں کھڑا کرو یا بکریا! کہاں بھاگتے ہو۔
(یہاں ”اَنْشُرُوْا“ امر کا صیغہ ہے جو ان کی عاجزی بتانے کے لیے ہے)

(۷) اباحت: جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

كُونُوا حَجَارَةً اَوْ حَدِيدًا۔ پتھر یا لوہا ہو جاؤ (كُونُوا امر کا صیغہ ہے اور ان

لوگوں کی توبہ میں مقصود ہے)

(۸) اباحت: ارشاد خداوندی ہے

كُلُوا وَاَشْرَبُوا كَمَا وُضِعَ۔ (یہاں ”كُلُوا اور اَشْرَبُوا“ کھانے پینے کو

واجب کرنے کے لیے نہیں بلکہ محض جائز اور مباح کرنے کے لیے آئے ہیں اباحت کا معنی
کسی کام کا محض جائز ہونا ہے مستحب یا واجب نہیں ہوتا)

(۹) احسان رکھنا: كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ۔ اس رزق سے کھاؤ جو اللہ تعالیٰ نے

تمہیں عطا فرمایا۔ (بطور احسان فرمایا)

(۱۰) تخیر (اختیار دینا) جیسے خُذْ هَذَا اَوْ ذَاكَ یہ لویا وہ (اختیار دیا گیا)

(۱۱) العنویۃ (برابری) جیسے اصْبِرُوا اَوْ لَا تَصْبِرُوا۔ صبر کرو یا نہ کرو (دونوں

صورتیں برابر ہیں)

(۱۲) اکرام (تعظیم) ارشاد خداوندی ہے اَدْخُلُوهَا بِسَلَامٍ اٰمِنِينَ۔ سلامتی کے

ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ تم امن والے ہو۔

نہی: اپنے آپ کو برا سمجھتے ہوئے کسی کو فعل سے رکنے کا کہنا نہیں ہے۔

نہی کا ایک ہی قسم کا صیغہ ہے اور وہ مضارع کا صیغہ ہے جس کے ساتھ لائے گئے

ملی ہوتی ہے۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا تَفْسُدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۚ زَيْنَ فِي اس كِي اَصْلَاح كے

بعد فساد نہ کرو۔

دوسرے معانی میں استعمال

بعض اوقات نہی اپنے اصلی معنی سے نکل کر دوسرے معانی میں استعمال ہوتی ہے

اور یہ بات مقام اور سیاق کلام سے معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً۔

(۱) دَعَا: جیسے وَلَا تَشْمِثْ بِبِی الْاَعْدَاءِ اور مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنسنا۔

(۲) التماس: جیسے تم اپنے برابر کے آدمی سے کہو۔

لَا تَبْرَحْ مِنْ مَّكَانِكَ حَتَّىٰ اَرْجِعَ اِلَيْكَ ۚ تم اپنی جگہ سے نہ ہٹاؤ

کہ میں تمہاری طرف لوٹ آؤں۔

(۳) تمنی: جیسے

يَا لَيْلُ طُلُ يَا نَوْمُ زُلُ يَا صَبْحُ قِفْ لَا تَطْلُعْ

اے رات لمبی ہو جا اے نیند دور ہو جا و اے صبح ٹھہر جا طلوع نہ ہو۔

یہاں ”لَا تَطْلُعْ“ نہی کا صیغہ ہے صبح کو منع نہیں کیا جا رہا ہے کیونکہ وہ تو شعور نہیں

رکھتی بلکہ تمنا کی جارہی ہے کہ صبح طلوع نہ ہو۔

(۴) تہدید: (جھڑکنا) جیسے تم اپنے خادم سے کہو۔

لَا تُطِيعْ اَمْرِي ۚ میری بات نہ ماننا۔ (یہاں منع کرنا مقصود نہیں بلکہ ڈانٹ

ڈپٹ ہے)

استفہام:

کسی چیز کی طلب کو استفہام کہتے ہیں اور اس کے لیے یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں ہمزہ 'ہل'، 'ما'، 'من'، 'متی'، 'ایان'، 'کیف'، 'این'، 'آئی'، 'کم' اور 'ائی'۔

(۱) ہمزہ:

ہمزہ تصور اور تصدیق دونوں کی طلب کے لیے آتا ہے۔

تصور: مفرد کا علم حاصل کرنا تصور ہے۔ جیسے تم کہو اَعْلٰی مُسَافِرٌ اَمْ خَالِدٌ۔ کیا علی مسافر ہے یا خالد؟ یعنی تمہیں معلوم ہو کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک مسافر ہے لیکن اسے متعین کرنے کے لیے پوچھا گیا اسی لیے جواب میں کسی ایک کو متعین کرنا ضروری ہے مثلاً جواب میں کہا جائے "علی" (علی مسافر ہے)۔

تصدیق: نسبت کا علم حاصل کرنا۔ جیسے کہا جائے "اَسَافِرُ عَلِیُّ" کیا علی نے سفر کیا۔ یہاں اس کے سفر کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے کہ وہ ہوا یا نہیں۔ اس لیے یہاں نعم (ہاں) یا "لا" (نہیں) کے ساتھ جواب ہوتا ہے۔ تصور میں مؤول عنہ (جس کے بارے میں پوچھا جاتا ہے) وہ ہوتا ہے جو ہمزہ سے ملا ہوتا ہے اور اس کا کوئی معادل (ہم پلہ) ہوتا ہے جو ام کے بعد ذکر کیا جاتا ہے اور اسے "ام متصلہ" کہتے ہیں۔

پس مسند الیہ کے بارے میں سوال ہو تو تم یوں کہو گے۔ اَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا اَمْ یَسُوْفُ کیا تم نے یہ کام کیا یا یوسف نے! یعنی یہاں کام کا کیا جانا معلوم ہے۔ کرنے والے (مسند الیہ) کے بارے میں سوال ہے اور مسند کے بارے میں سوال یوں ہوگا۔

"اَرَاغِبُ اَنْتَ عَنِ الْاَمْرِ اَمْ رَاغِبٌ فِیْهِ" کیا تم اس کام میں رغبت نہیں رکھتے یا رغبت رکھتے ہو۔ تو یہاں رغبت رکھنے نہ رکھنے یعنی مسند کے بارے میں سوال ہے۔

مفعول کے بارے میں سوال یوں ہوگا "أَيُّهَا تَقْضِدُ أَمْ خَالِدًا" کیا تم میرا قصد کرتے ہو یا خالد کا؟۔

حال کے چھوٹے میں سوال اس طرح ہوتا ہے۔ "أَرَاكِنَا جَنَّتْ أَمْ مَا شَبَّهَا" کیا تم سوار ہو کر آئے یا پیدل۔

ظرف کے بارے میں اس طرح پوچھا جاتا ہے۔ "أَيُّوْمَ الْخَمِيْسِ قَدِمْتُ أَمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ" تم جمعرات کو آئے یا جمعہ کے دن۔ اسی طرح دوسرے معمولات میں سوال ہوتا ہے۔

نوٹ: بعض اوقات معادل کا ذکر نہیں ہوتا۔ جیسے أَنْتَ لَعَلْتَ هَذَا۔ کیا تم نے یہ کام کیا۔ (دوسرے آدمی کا ذکر نہیں)

أَرَاغِبْتُ أَنْتَ عَنِ الْأَمْرِ کیا تم اس کام میں رغبت نہیں رکھتے (دوسرے عمل یعنی رغبت رکھنے کا ذکر نہیں)

أَيُّسَاءِ تَقْضِدُ۔ کیا تم میرا قصد کرتے ہو (دوسرے آدمی یعنی معادل) کا ذکر نہیں ہے)

أَرَاكِنَا جَنَّتْ۔ کیا تم سواری کی حالت میں آئے (پیدل چلنے کا ذکر نہیں)

أَيُّوْمَ الْخَمِيْسِ قَدِمْتُ۔ کیا تم جمعرات کو آئے (جمعہ کا ذکر نہیں)

پہلی مثالوں میں ام کے بعد جن لوگوں یا کاموں کا ذکر تھا اور دوسری مثالوں میں

ان کا ذکر نہیں ہوا ان کو معادل کہتے ہیں۔

تقدیق میں مَسْئُولٌ عَنْهُ:-

تقدیق میں نسبت کا سوال ہوتا ہے۔ اور اس کا کوئی معادل نہیں ہوتا اور اگر اس

کے بعد حرف "أَمْ" آئے تو اسے "ام منقطعة" سمجھا جائے گا اور وہ حرف "بَلْ" (بلکہ) کا

سی دے گا۔

ہَل :

حرف ہل صرف طلب تصدیق کے لیے آتا ہے جیسے۔

ہل جاء صديقك۔ کیا تیرا دوست آیا؟

اس کے جواب میں ”نعم“ (ہاں) یا ”لا“ (نہیں) کہا جاتا ہے۔ اس لیے اس

کے ساتھ معادل کا ذکر منع ہے پس یوں نہیں کہا جاتا ہَل جاء صديقك أم

عذوك۔ کیا تیرا دوست آیا یا تیرا دشمن؟

ہل کی دو قسمیں ہیں

(۱) ہل بسیطہ (۲) ہل مرکبہ

اگر ہل ذریعے کسی چیز کے وجود فی نفسہ کو سمجھنا مطلوب ہو تو اسے ہل بسیطہ

کہتے ہیں۔ جیسے ہل العنقاء موجودہ۔ کیا عنقاء پرندہ موجود ہے۔ اور اگر ہل کے

ذریعے کسی چیز کا دوسرے چیز کے لیے وجود معلوم کرنا ہو تو اسے ہل مرکبہ کہتے ہیں۔ جیسے

ہل تبيض العنقاء وتفرخ۔ کیا عنقاء پرندہ انڈے اور بچے دیتا ہے۔

ما :

(۱) حرف ما کے ذریعے کسی اسم کی تشریح طلب کی جاتی ہے جیسے

ما العسجد یا ما اللجین۔ مسجد کیا ہے یلجین کیا ہے۔ جواب میں مشہور لفظ

آئے گا اور وہ ذہب (سونا) اور قضة (چاندی) ہے کیونکہ (العسجد سونے

کو اور اللجین چاندی کو کہتے ہیں)

(۲) ما کے ذریعے سنی کی حقیقت کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے۔ جیسے ما

الانسان انسان کی حقیقت کیا ہے (جواب میں حیوان ناطق کہا جائے گا)

(۳) یا حقیقت کے ساتھ حال کے بارے میں سوال کے لیے ما استعمال ہوتا ہے جیسے مَا أَنْتَ تَوَكَّيَا (یعنی نام ہے یا جاہل؟)

من:

اس اسم کے ذریعے عقلاء (مقلد والوں) کا تعین مطلوب ہوتا ہے جیسے مَنْ فَتَحَ مَضْرًا مَعْرُوكًا نَفَحَ يَأْيَا (فتح کرنے والے انسان ہوتے ہیں جن کو عقلاء) (مقلد والے) کہا جاتا ہے)

متی:

متی کے ذریعے تعین زمانہ کا سوال کیا جاتا ہے زمانہ ماضی ہو یا مستقبل جیسے "مَتَى جِئْتُ" تو کب آیا۔ اور "مَتَى تَذْهَبُ" تو کب جائے گا۔

آیَان:

آیَان سے خاص مستقبل کا تعین مطلوب ہوتا ہے اور یہ خوف دلانے کے مقام پر

ہوتا ہے۔

جیسے "يَسْأَلُ آيَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" وہ پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہوگا۔

كَيْفَ:

كَيْفَ کے ذریعے حال دریافت کیا جاتا ہے۔ جیسے "كَيْفَ أَنْتَ" تمہارا کیا

حال ہے؟

أَيْنَ:

أَيْنَ کے ذریعے مکان کا تعین مطلوب ہوتا ہے۔ جیسے "أَيْنَ تَذْهَبُ" تو کہاں

جاتا ہے۔

- ہمزہ دو باتوں یعنی ڈرانے یا نہ ڈرانے کی برابری بتانے کے لیے آیا ہے۔
- (۲) نفی: جیسے **هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ**۔ احسان کا بدلہ نہیں مگر احسان ہے۔ یہاں لفظ **هَلْ** نفی کے معنی میں ہے۔
- (۳) انکار: جیسے **اغْيِرَ اللَّهُ تَدْعُونَ** کیا تم اللہ کے غیر کی پوجا کرتے ہو۔ یہاں ہمزہ استفہام انکار (روکنے) کے لیے ہے یعنی غیر اللہ کو نہ پوجو۔ **الْيَسَّسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ** یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو کافی ہے۔ (کافی نہ ہونے کا رد ہے)
- (۴) امر: جیسے **فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ** کیا تم باز آنے والے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ باز آ جاؤ۔ **"الْأَسْلَمْتُمْ"** کیا تم اسلام لائے یعنی اسلام لاؤ۔
- (۵) نفی: جیسے **اتَّخِشُوا لَهُمُ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ** کیا تم ان سے ڈرتے ہو اور اللہ تعالیٰ زیادہ حق دار ہے کہ اس سے ڈرو۔ یعنی ان لوگوں سے نہ ڈرو۔
- (۶) شوق دلاتا: **هَلْ أَذِلُّكُمْ عَلَى تِجَارَةٍ تُجْنِيكُمْ مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ** کیا میں تمہیں ایسی تجارت کی راہنمائی نہ کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے۔ (یہاں شوق دلا یا گیا)
- (۷) تعظیم: جیسے **مَنْ ذِي الدِّئِ يَشْفَعُ عِنْدَهُ** کون ہے جو اس کے پاس سفارش کرے (یہاں من عظمت کے لیے ہے استفہام کے لیے نہیں)
- (۸) تحقیر: (حقیر قرار دینا) جیسے **اهَذَا الَّذِي مَدَحْتَهُ كَثِيرًا** کیا اس شخص کی میں نے بہت زیادہ تعریف کی۔ یعنی یہ حقیر ہے اس قابل نہیں۔
- (۹) تہکم (مذاق) جیسے **أَعْقَلَكَ يَسْوَغُ لَكَ أَنْ تَفْعَلَ كَذَا** کیا تیری عقل تیرے لیے ایسا کام کرنا جائز قرار دیتی ہے۔ (عقل کا مذاق اڑایا جا رہا ہے)
- (۱۰) تعجب: جیسے **مَا لِهَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمَشِي فِي الْأَسْوَاقِ** اس

رسول کو کیا ہوا کہ وہ کھانا کھاتا اور بازاروں میں چلتا ہے۔ (استغفار نہیں بلکہ تعجب کا اظہار ہے)

(۱۱) گمراہی پر خبردار کرنا: جیسے فَاِنَّ تَذْهَبُوْنَ تَمَّ كِهٰلًا جَارِہے ہو۔ (یعنی یہ راستہ)

گمراہی کا ہے)

(۱۲) وعید (ڈرانا) جیسے اَتَفْعَلُ كَذَا وَقَدْ اَحْسَنْتُ اِلَيْكَ۔ کیا تم یہ کام کرتے ہو

حالانکہ میں نے تم پر احسان کیا۔ (یہاں اس کام سے ڈرایا گیا)

تمنی

کسی محبوب چیز کی طلب کرنا جس کے حصول کی امید نہ ہو یا اس لیے کہ وہ محال ہے یا اس کا واقع ہونا بعید ہے جیسے۔

اَلَا لَيْتَ الشَّبَابَ يَفْعُوْذِيَوْمًا

فَاُخْبِرُهُ بِمَا فَعَلَ الْمَشِيبُ

سنو! کاش کسی دن جوانی لوٹ آئے۔ پس میں اسے بتاؤں گا کہ جوانی نے کیا کیا

(جوانی کا واپس آنا محال ہے) دوسری مثال تنگ دست آدمی کا یہ قول۔

لَيْتَ لِيْ اَلْفَ دِيْنَارٍ۔ کاش میرے پاس ایک ہزار دینار ہوتے۔ تنگ دست آدمی کے لیے

ایک ہزار دینار کا حصول بہت مشکل اور بعید الوقوع ہے۔ محال نہیں ہے۔ اگر کسی بات کے

حصول کی توقع ہو تو اس کا انتظار ترجی کہلاتا ہے۔ اور اسے عسى يا لعل کے ساتھ تعبیر

کرتے ہیں جیسے لَعَلَّ اللّٰهُ يُخْدِتْ بَعْدَ ذَلِكَ اَمْرًا۔ امید ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ

کوئی بات پیدا کر دے۔

حروف تمنی:

حروف تمنی چار ہیں۔ جن میں سے ایک اصلی اور تین غیر اصلی ہیں۔

لَيْتَ (اصلی) هَلْ، لَوْ، لَعَلَّ (تینوں غیر اصلی ہیں)

مثالیں:

- (۱) لَيْتَ کی مثال بیان ہو چکی ہے۔
 - (۲) هَلْ لَنَا مِنْ شَفْعَاءَ فَيُشْفَعُوا لَنَا تو کیا ہمارے لیے کوئی سفارشی ہیں جو ہمارے لیے سفارش کریں۔ (یہاں شفاعت کی تمنا ہے)
 - (۳) "فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ" پس اگر ہمارے لیے لوٹنا ہوتا تو ہم مومنوں میں سے ہو جاتے۔ (وایسی کی تمنا کی جارہی ہے)
 - (۴) أَسْرَبَ الْقَطَا هَلْ مِنْ يُعِيرُ جَنَاحَهُ لَعَلِّي إِلَى مَنْ قَدْ هَوَيْتُ أَطِيرُ
- اے چڑیوں کی جماعت! کیا کوئی اپنے بازو ادا دھار دے گا تاکہ میں اپنے محبوب کی طرف اڑ سکوں۔ (یہاں لعل تمنا کے لیے ہے)
- نوٹ: جب یہ الفاظ تمنی میں استعمال ہوں تو جواب میں واقع ہونے والا مضارع منصوب ہوتا ہے جیسے "فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ" میں فَنَكُونُ کا آخر منصوب ہے۔

نداء:

ایسے حرف کے ساتھ جَوَادُّعُوْ (میں بلاتا ہوں) کے قائم مقام ہوئے کے ساتھ توجہ طلب کرنا نداء ہے۔

حروف نداء:

حروف نداء آٹھ ہیں۔

(۱) یا (۲) همزہ (۳) ای (۴) آ (۵) آی (۶) ایا (۷) ہیا (۸) وا۔ ہمزہ اور ای قریب کے لیے آتے ہیں اور باقی حروف دور کے لیے آتے ہیں۔

بعض اوقات دور والے و قریب کی جگہ رکھتے ہوئے ہمزہ اور ”ای“ کے ساتھ ندا کی جاتی ہے۔ اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ یہ منادی متکلم کے ذہن میں بہت زیادہ حاضر ہے۔ اس لیے حاضر کی طرح ہو گیا۔ جیسے شاعر کا قول ہے۔

اَسْكَانُ بَغْدَادِ اِلَارَاكُ تَقْنُوَا

بَاتِكُمْ فِی رُبْعِ قَلْبِیْ سَكَا

اے نعمان اراک کے رہنے والو! یقین کر لو کہ تم لوگ میرے دل کے گھر میں رہتے ہو۔

بعض اوقات قریب و بعید کی جگہ رکھتے ہوئے اس کے لیے وضع کیے گئے حروف میں سے کسی ایک کے ساتھ پکارا جاتا ہے اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ منادی کی بہت بڑی شان اور بہت بلند مرتبہ ہے حتیٰ کہ اس کی درجہ میں دوری متکلم سے مسافت میں دوری کی طرح ہے جیسے کہا جائے۔ ایسا مولای (اے میرے آقا) حالانکہ تم اس کے ساتھ ہو (لیکن ”ایسا“ حرفِ نداء استعمال کیا جو بعید کے لیے ہے کیونکہ منادی یعنی مولا کا مقام بڑا ہے)

کبھی منادی کے درجہ انحطاط کی وجہ سے یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے جیسے ایک آدمی تمہارے ساتھ ہو اور تم ایسا ہذا (اے وہ شخص) کہو یہاں اس کے درجہ کی کمی کی وجہ سے دور سمجھ کر ایسا حرفِ نداء استعمال ہو یا سامع کے غافل ہونے کی طرف اشارہ ہوتا ہے مثلاً ہونے یا ذہول (ذہن سے نکل جانے) کی وجہ سے گویا وہ مجلس میں حاضر نہیں ہے جیسے بھولنے والے کو یوں پکارا جائے آیا فلان وہ حاضر ہے لیکن حرفِ نداء ایسا استعمال ہوا جو بعید

کے لیے ہے۔

حروفِ ندا کا اصلی معنی سے نکلتا

بعض اوقات ندا کے الفاظ اپنے اصلی معنی سے نکل کر دوسرے معانی کے لیے آتے ہیں جو قرآن سے معلوم ہوتے ہیں۔

(۱) اے وزیرانی وغیرہ! پیاجیرو!

جیسے ایک شخص کی مرنی شکایت ہے کہ اے تو اے کھاجے یا مظلومہ (اے مظلوم)

(۲) زجر (جھڑکنا) جیسے

أَفْوَادِي مَتَى الْمَتَابُ الْمَا

تَصَحَّحْ وَالشَّيْبُ فَوْقَ رَأْسِي الْمَا

اے میرے دل تو بہ کا وقت آ گیا تو بھوش میں آ جا اور بڑھاپا میرے سر پر اتر چکا ہے۔ (یہاں اپنے آپ کو جھڑکنے کے لیے پکارا)

(۳) حیرت اور بے قراری۔ جیسے

أَيَا مَنَازِلَ سَلَمَىٰ أَيْنَ سَلَمْنَاكَ اے سلمیٰ کے مکان تیری سلمیٰ کہاں ہے

اس قسم کی نمراء کشندرات اور سہاریوں وغیرہ کو زیادہ ہوتی ہے۔

(۴) حسرت اور روپیہیں کرنے سے جیسے

أَيَا قَبْرِ مَعْنٍ كَيْفَ وَارِثَتِ جُودَهُ

وَقَدْ كَانَ مِنْهُ الْبَرُّ وَالْبَحْرُ مُتَرَعِّيًا

اے معن کی قبر تو نے اس کی سخاوت کو کس طرح چھپا لیا حالانکہ شعلی اور سمندر اس

کی سخاوت سے بھرے ہوئے تھے۔

(۵) یاد کرنے کے لیے جیسے

أَيُّهَا مَنْزِلِي سَلَامِي سَلَامٌ عَلَيْكُمَا

فَلِالْأَزْمَنِ اللَّاتِي مُصِيبٌ رَوَاجِعُ

اے سلمیٰ کی دونوں منزلوں! تم دونوں پر سلام۔ کیا تم میں گزرے ہوئے زمانے
اپنے لوٹنے والے ہیں۔

انشاء غیر طلبی:

انشاء غیر طلبی تعجب، قسم اور عقود کے صیغوں جیسے بَعَثَ وَاسْتَرْيَتْ
سے حاصل ہے۔ اور اس کے علاوہ (مثلاً افعال مدح و ذم اور افعال مقاربہ
سے) بھی حاصل ہوتی ہے۔

چونکہ انشاء کی دوسری قسم غیر طلبی کا تعلق علم معانی کی مباحث سے نہیں اس لیے
اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ (انشاء کی بحث ختم ہوگئی)

ذکر و حذف

ذکر کے اسباب (وغیرہ)

وہ باتیں جو مسند الیہ کے ذکر کا تقاضا کرتی ہیں جبکہ ذکر نہ کرنے سے بھی اس کا علم

ہو جاتا ہے۔

(۱) تقریر اور وضاحت کی زیادتی جیسے:

أُولَئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (وہی لوگ

اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں)

دوسرے اُولَئِكَ کی جگہ ضمیر بھی آ سکتی تھی لیکن زیادہ وضاحت کے لیے اسے

دور بارہ لایا گیا۔

(۲) مسند الیہ پر دلالت کرنے والے قرینہ کی کمزوری کی وجہ اس پر اعتماد کم ہو یا سننے

والے کی سمجھ کمزور ہو تو منہ الیہ کو ذکر کیا جاتا ہے۔

جیسے زَیْدُ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے لیکن اسے سنے ہوئے کافی وقت گزر چکا ہو یا اس کے ساتھ ساتھ کسی اور کا بھی ذکر ہو تو اب ضمیر کی بجائے زید کا نام لیتے ہیں۔
جیسے

زَيْدٌ نَعَمَ الصَّدِيقُ زید کیا اچھا دوست ہے (یہاں ہو نعم الصدیق بھی کہا جاسکتا تھا)

(۳) سامع کے غبی (کند ذہن) ہونے کی طرف اشارہ کرتا مقصود ہو جیسے پوچھا جائے مَاذَا قَالَ عُمَرُ (عمر نے کیا کہا) تو جواب میں ”عمر قال کذا“ کہا جائے حالانکہ ”هُوَ قَالَ کَذَا“ بھی کہا جاسکتا ہے۔

(۴) سامع کو پکا کرنا تاکہ انکار نہ کر سکے جیسے حاکم گواہ سے پوچھے ”هَلْ أَقَرَّ زَيْدٌ هَذَا بِأَنِّ عَلَيْهِ كَذَا“ کیا اس زید نے اس بات کا اقرار کیا کہ اس کے ذمہ فلاں چیز ہے۔ یہاں صرف ”هَذَا أَقَرَّ“ ہو سکتا تھا لیکن یہاں قلمبند کرنے کے لیے اس کا نام ذکر کیا گیا۔

(۵) تعجب کے موقع پر: جب کوئی عجیب بات ہو تو جیسے علی کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے اور اب اس کا نام لینے کی ضرورت نہیں لیکن نام لیا جاتا ہے۔ مثلاً

عَلِيٌّ يُقَارِمُ الْأَسَدَ علی مقابلے میں شیر سے آگے بڑھنے کا مقابلہ کرتا ہے۔

(۶) تعظیم و توہین کے لیے: مثلاً پوچھا جاتا ہے کہ کیا قائد واپس آیا تو جواب میں قائد کی بجائے بطور تعظیم نام لیا جاتا ہے۔

مثلاً کہا جائے رَجَعَ الْمَنْصُورُ (مدد کیا ہوا واپس ہوا) یا رَجَعَ الْمَهْزُومُ

(شکست کھایا ہوا واپس ہوا) پہلی مثال تعظیم کی ہے اور دوسری مثال توہین کی ہے۔

حذف کے اسباب

(۱) غیر مخاطب سے بات کو پوشیدہ رکھنا۔

مثلاً علی کا آنا مراد ہو تو صرف ”اقبل“ کہا جاتا ہے ”علی اقبل“ نہیں کہا جاتا۔

اس صورت میں مخاطب کو معلوم ہے کہ علی آیا لیکن دوسروں سے چھپانے کے لیے مسند الیہ کو حذف کیا گیا۔

(۲) مسند الیہ کو حذف کرتے ہیں تاکہ ضرورت پڑنے پر اس کا انکار کیا جاسکے۔ جیسے کہا جائے ”لتیم، خیس“ پہلے ایک خاص شخص کا ذکر ہوتا پھر اس کا ذکر کرتے وقت اس کا نام لے کر یہ نہیں کہا جاتا کہ ”فلاں لتیم“ (فلاں کہینہ ہے) تاکہ اعتراض کے وقت کہا جاسکے کہ یہ بات فلاں کے بارے میں نہیں ہے۔

(۳) محذوف مسند الیہ کے بارے میں یہ بات بتانا مقصود ہے کہ وہ متعین ہے اگرچہ دعویٰ ہی ہو۔

مثلاً ”خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ“ کے مسند الیہ ”اللہ“ کو حذف کیا گیا کیونکہ ہر شے جانتا ہے کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہے اس لیے ”اللہ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ“ کے شروع سے اسم جلالت ”اللہ“ کو حذف کیا گیا۔

اسی طرح ”وَهَابُ ذَهَابِ الْأَلُوفِ“ بادشاہ ہزاروں روپے دینے والا ہے (یہ دعویٰ کی مثال ہے) سے السلطان کو حذف کیا گیا اور صرف ”وَهَابُ الْأَلُوفِ“ کہا گیا کیونکہ دعویٰ یہ ہے کہ بادشاہ ایسا کرتا ہے لہذا بادشاہ متعین ہے۔

(۴) سننے والا آگاہ ہے یا کسی قدر آگاہ ہے اس کی آزمائش کے لیے مسند الیہ کو حذف کیا جاتا ہے جیسے۔

”نُورُهُ مُسْتَفَادٌ مِّنَ الشَّمْسِ“ اس کا نور سورج کی روشنی سے حاصل ہوا

یہاں نور القمر کی بجائے نُورُهُ کہا تا کہ معلوم کیا جائے کہ سامع کو اس بات کا علم ہے کہ سورج چیز کو سورج سے روشنی حاصل ہوتی ہے یا سامع کو معلوم نہیں ہے۔

(۵) درد کی وجہ سے کلام کے لیے وقت کم ہو تو مسند الیہ کو حذف کر دیا جاتا ہے جیسے

قَالَ لِي كَيْفَ أَنْتَ قُلْتُ عَلِيلٌ

سَهَرٌ دَائِمٌ وَحُزْنٌ طَوِيلٌ

اس نے مجھے کہا تم کیسے ہو تو میں نے کہا بیمار ہوں طویل بیدار اور لمبا غم ہے۔

یہاں انا علیل میں بیمار ہوں کی بجائے صرف علیل کہا اور انا (مسند الیہ) کو حذف کر دیا۔

یہاں فرصت کے ضائع ہونے کے خوف سے مسند الیہ کو حذف کر دیتے ہیں۔ جیسے

شکاری کہتا ہے۔ ”غزال“ (ہرن ہے) وہ ”ذلک غزال“ (وہ ہرن ہے) سے ذلک

کو حذف کر دیتا ہے۔

(۶) تعظیم کے لیے مسند الیہ کو حذف کیا جاتا ہے تاکہ وہ بڑی شخصیت میری زبان

سے محفوظ رہے جیسے ”نَجُومُ سَمَاءٍ“ کہا جاتا ہے اور ”هُمُ نَجُومُ السَّمَاءِ“ نہیں کہتے

بلکہ ”هُمُ“ کو حذف کر دیتے ہیں۔

اسی طرح کسی کو حقیر جانتے ہوئے اپنی زبان کو اس سے محفوظ رکھنے کے لیے اس

کو حذف کیا جاتا ہے۔ جیسے:

”هُمُ قَوْمٌ إِذَا أَكَلُوا اخْفَوْا أَحَدُهُمْ“ وہ ایک قوم ہے جب کھاتے ہیں تو

اپنی بات چھپاتے ہیں۔ یہاں ہم (مبتدا یعنی مسند الیہ) کو حذف کر کے اپنی زبان کو ان

کے ذکر سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔

(۷) وزن شعر کی حفاظت کے لیے حذف کرتے ہیں۔

”نَحْنُ بِمَا عِنْدَنَا وَأَنْتَ بِمَا عِنْدَكَ رَاضٍ“ ہم اس پر جو ہمارے پاس ہے اور تم اس پر جو تمہارے پاس ہے راضی ہو۔ یہاں عِنْدَنَا کے بعد ”راضٍ“ حذف کیا اور نہ شعر کا وزن باقی نہ رہتا۔

جمع کی حفاظت کے لیے حذف کیا جاتا ہے جیسے:

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى: تیرے رب نے نہ تجھے چھوڑا اور نہ ناراض ہوا۔ یہاں ”وَمَا قَلَى“ کی بجائے صرف ”وَمَا قَلَى“ کہا ہے کاف ضمیر کو حذف کر لیا تاکہ دوسری آیات کے ساتھ مطابقت ہو۔

(۸) حذف کے ذریعے کلام کو مختصر کر کے عموم پیدا کیا جاتا ہے۔ مثلاً ”وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى دَارِ السَّلَامِ“ اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے یہاں یہ نہیں بتایا کہ کس کو بلاتا ہے تو معمول کو حذف کر کے اشارہ کیا کہ تمام بندوں کو بلاتا ہے (یہ عموم ہے)۔

ادب کے لیے معمول کو حذف کرتے ہیں۔ جیسے:

قَدْ طَلَبْنَا فَلَمْ نَجِدْ لَكَ فِي السُّودِ وَالْمَجْدِ وَالْمَكَارِمِ۔ مثلاً ہم نے تلاش کی لیکن سرداری بزرگی اور اچھے اخلاق میں آپ کی مثل نہ پایا۔

یہاں ”طَلَبْنَا لَكَ“ ہونا چاہیے تھا لیکن ادب کے طور پر ”لَكَ“ کو حذف

کر دیا۔

(۱۰) متعدی کو لازم کی جگہ لانا کیونکہ معمول (مفعول) سے کوئی غرض متعلق نہیں ہوتا

جیسے:

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔ کیا علم والے اور

علم برابر ہیں۔ یہاں عَلِمُوا کو معمول کی جگہ عَلِمُوا کے لیے عَلِمُوا کے دوزمیل

فرق بتانا ہے کیا جانتے ہیں کیا نہیں جانتے اس سے کوئی غرض نہیں۔

نوٹ: فعل کے نائب فاعل کی طرف اسناد کو بھی حذف میں شمار کیا جاتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے فاعل سے یا فاعل پر خوف کی وجہ سے فاعل کو جاننے یا نہ جاننے کی وجہ سے فاعل کو حذف کیا گیا۔ جیسے: سرق المتاع۔ سامان چوری ہو گیا فاعل یعنی چور کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اس سے خوف ہے یا اس کے لیے خوف ہے وغیرہ۔

خُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا۔ انسان کو کمزور پیدا کیا گیا۔ پیدا کرنے والے خالق (فاعل) کا ذکر نہیں کیا کیونکہ معلوم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہے ان دونوں مثالوں میں فعل کو مجہول لا کر نائب فاعل (مفعول) کی طرف اسناد کی گئی ہے۔

تقدیم و تاخیر

یہ بات معلوم ہے کہ کلام کے تمام اجزاء کو بیک وقت بولنا ممکن نہیں۔ بلکہ بعض اجزاء کی تقدیم اور بعض کی تاخیر ضروری ہے اور ان الفاظ میں سے کوئی بھی لفظ دوسرے لفظ سے پہلے ہونے میں ذاتی اعتبار سے کوئی حق نہیں رکھتا کیونکہ تمام الفاظ اس اعتبار سے کہ الفاظ میں معتبر ہوتے ہیں لہذا کسی لفظ کو دوسرے لفظ پر مقدم کرنے کا کوئی سبب ہونا چاہیے اور وہ اسباب یہ ہیں۔

اسباب تقدیم و تاخیر

(۱) دوسرے جملہ کا شوق دلانا: جب پہلا جزء جملہ کسی عجیب بات کی خبر دے تو دوسرے جملہ جزء کو جاننے کا شوق ہوتا ہے جیسے۔

وَالَّذِي خَسَارَتِ الْبَسْرِيَّةُ فِيهِ
حَيَوَانٌ مِّنْ مَّتَخَدِّثٍ مِّنْ جَمَادٍ

وہ چیز جس میں مخلوق حیران ہوئی ہے وہ ایک جاندار چیز کا ہے جان سے پیدا ہوتا ہے تو پہلے جز (مبتداء) میں حیران کن بات کی خبر ہے اور دوسرے جز (خبر) میں اس بات کا ذکر ہے اس لیے پہلے جز سے اس چیز کو جاننے کا شوق پیدا ہوا۔

(۲) خوشی یا رنج کی جلدی: خوشی یا رنج کے سلسلے میں مسند الیہ مقدم کیا جاتا ہے جیسے

الْعَفْوُ غُنْكَ صَدْرُ بِهِ الْأَمْرُ أَوْ الْقِصَاصُ حَكْمُ بِهِ الْقَاضِي

تیری طرف سے معافی کا حکم ہو یا قاضی نے قصاص کا حکم دیا

یہاں ”الْعَفْوُ“ کے لفظ و خوشی کی وجہ سے مقدم کیا اور رنج کی وجہ سے

القصاص“ کو مقدم کیا۔

(۳) مقدم جملہ کا محل انکار و تعجب ہونا:

جب مقدم ہونے والے جملہ میں انکار و تعجب ہو تو اس کے مقدم ہونے کی وجہ

یہی انکار و تعجب ہے۔ جیسے

ابْعُدْ طُولَ التَّجْرِيبَةِ تَنَحَّدُغْ بِهَذِهِ الزَّخَارِفِ

طویل تجربہ سے بات بعید ہے کہ تم ان من گھڑت باتوں سے دہوکہ کھاؤ۔

تو یہاں تجربہ کی طوالت کا ذکر پہلے ہوا کیونکہ یہ محل انکار ہے۔

(۴) ترقی کے راستے پر چلنا:

ترقی کے راستے پر چلنے کا طریقہ یہ ہے کہ نام کو پہلے لایا جاتا ہے پھر خاص کو

کیونکہ خاص کے بعد نام کو لانے میں کوئی فائدہ نہیں۔ جیسے

هَذَا الْكَلَامُ صَحِيحٌ فَصِيحٌ بَلِيغٌ. یہ کام صحیح فصیح بلیغ ہے۔

اگر فصیح بلیغ کہتے تو اب صحیح کہنے کی ضرورت باقی نہ رہتی اسی طرح

اگر بلیغ کا لفظ پہلے لاتے تو فصیح کہنے کی ضرورت نہ رہتی۔ کیونکہ بلیغ میں صحیح اور فصیح دونوں شامل ہیں اور بلیغ میں فصیح شامل ہے اس لیے جب بلیغ کہا تو فصیح کا ذکر ہوا اور فصیح کہا تو صحیح کا ذکر خود بخود ہوا۔

(۵) ترتیب و جودی کی رعایت: جیسے

لَا تَأْخُذْهُ سَنَةٌ وَلَا نَوْمٌ اے (اللہ تعالیٰ کو) اونگھ اور نیند نہیں آتی

چونکہ وجود میں اونگھ پہلے اور نیند بعد میں ہے اس لیے اسی ترتیب سے ذکر کیا گیا۔

(۶) عموم سلب یا سلب عموم پر صراحت:

یعنی صورت یعنی جب سلب کا عموم ہو تو اس میں عمومیت کے الفاظ نفی کے الفاظ

سے مقدم ہوتے ہیں جیسے

كُلُّ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ کچھ بھی نہیں ہوا

یعنی نہ یہ ہوا اور نہ وہ۔ لفظ ”کل“ عموم کے لیے ہے اور لفظ لم نفی کے لیے۔

اس لیے لفظ ”کل“ مقدم اور لفظ ”لم“ مؤخر ہے۔

اور جب سلب عموم ہو یعنی عمومیت کو ختم کیا جائے تو اس میں نفی کے الفاظ مقدم اور

عموم کے الفاظ مؤخر ہوتے ہیں جیسے:

لَمْ يَكُنْ كُلُّ ذَلِكَ یہ سب کچھ نہیں ہو یعنی یہ مجموعہ نہیں ہوا

اس میں بعض کے ثابت رہنے کا بھی احتمال ہے اور ہر فرد کی نفی کا احتمال بھی ہے۔

(۷) حکم کو مضبوط کرنا:

جب خبر فعل ہو تو فاعل کو مقدم کرتے ہیں جیسے: الْهَلَالُ ظَهَرَ چاند ظاہر ہوا

یہاں الہلال کو مقدم کیا اور فعل کو مؤخر۔ اور یہ بات اسناد کے تکرار سے حاصل ہوئی ہے۔

(۸) تخصیص کے لیے

یعنی تخصیص کے لیے مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کیا جاتا ہے جیسے: ایاک نعبد ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔

اگر نَعْبُدُ اِيَّاكَ ہوتا تو تخصیص ثابت نہ ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ثابت ہوتی لیکن کسی اور سے نفی نہ ہوتی۔

(۸) وزن یا جمع کی حفاظت:

یعنی مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کرنے کی وجہ وزن اور جمع کی حفاظت ہے جیسے:

اِذَا نَطَقَ السَّفِيْهُ فَلَا تُجِبْهُ

فَخَيْرٌ مِنْ اِجَابَتِهِ السُّكُوْتُ

جب بے وقوف آدمی بات کرے تو اسے جواب نہ دو کیونکہ اسے جواب دینے سے خاموش رہنا بہتر ہے۔ تو یہاں السکوت مبتدا کو مؤخر اور فخیو خبر کو مقدم کیا تاکہ وزن شعر برقرار رہے۔

جمع کی مثال یہ ہے

خُذُوْهُ فَعَلُوْهُ ثُمَّ الْجَحِيْمُ صَلُوْهُ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ زَرْعُهَا سَبْعُوْنَ زِرَاعًا
قَاسَلُكُوْهُ۔

اس جہنمی کو پکڑو اس کے گلے میں طوق ڈالو پھر اسے جہنم میں داخل کر دو اور اسے ایسی زنجیر سے جکڑ دو جس کی لمبائی ستر گز کی ہو۔

اس میں الجحیم کو فعل صلوه پر مقدم کیا اسی طرح ثم فی سلسلۃ کو فعل یعنی فاسلکوه پر مقدم کیا۔

نوٹ: تقدیم و تاخیر کے لیے الگ الگ باب بیان نہیں کیے کیونکہ جب جملہ کے دو رکٹوں

میں سے ایک مقدم ہو تو دوسرا متاخر ہو گا پس یہ ایک دوسرے کو لازم ہوئے لہذا دونوں کا اکٹھا ذکر کیا۔

تعریف و تنکیر

جب مخاطب کو سمجھانے سے غرض کسی معین کے ساتھ کلام کو مربوط کرنا (بلانا) ہو تو یہ مقام تعریف ہے اور جب اس سے غرض متعلق نہ ہو تو یہ مقام تنکیر ہے اس کی تفصیل یہ ہے۔

یہ بات معلوم ہے کہ ضمیر، علم، اسم، اشارۃ اسم، موصول، الف لام کے ساتھ معرفۃ ان مذکورہ میں سے کسی ایک کی طرف مضاف اور منادئی، معرفۃ کی اقسام ہیں۔
ضمیر:

جب کلام میں تکلم، خطاب یا غیبت کا مقام ہو اور اختصار بھی مطلوب ہو تو ضمیر لائی جاتی ہے۔ جیسے:

”اَنَا رَجَوْتُكَ فِي هَذَا الْأَمْرِ“ میں نے اس معاملے میں تجھ سے امید رکھی ہے (حالت تکلم میں انا ضمیر ہے)

أَنْتَ وَعَدْتَنِي بِإِنْجَازِهِ۔ تو نے مجھ سے بات کو پورا کرنے کا وعدہ کیا (یہاں انت ضمیر ہے جو خطاب کے لیے ہے اور بانجوازہ میں ہ ضمیر غائب کی ہے)

نوٹ: خطاب میں اصل یہ ہے کہ مخاطب سامنے ہو اور معین ہو لیکن بعض اوقات ایسے شخص کو خطاب کیا جاتا ہے جو دکھائی نہیں دیتا اور سامنے نہیں ہوتا لیکن دل میں حاضر ہوتا ہے جیسے: اَيَّاكَ نَعْبُدُ ہم تیری عبادت کرتے ہیں۔

اور کبھی غیر معین شخص کو خطاب کیا جاتا ہے جب کہ ہر اس آدمی سے خطاب مقصود

جو جسے خطاب کیا جاسکتا ہے جیسے اللّٰئِمُّ مَنْ اِذَا احْسَنْتَ اِلَيْهِ اَسَاءَ اِلَيْكَ۔ وہ شخص کمینہ ہے کہ جب تم اس سے نیکی کرو تو وہ تم سے برائی کرے۔ یہاں ”احسن“ اور الیک “ میں خطاب عام ہے کسی معین شخص کو نہیں۔

علم:

علم کو اس لیے لایا جاتا ہے کہ سننے والے کے ذہن میں اس کے معنی کو خاص کر کے ساتھ حاضر کیا جائے۔ جیسے

وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمَاعِيْلُ۔ اور جب حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام بیت اللہ شریف کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔ یہاں ابراہیم اور اسماعیل ان شخصیتوں کے نام ہیں جن کا ذکر مقصود ہے۔ بعض اوقات اس کے ساتھ دوسری اغراض بھی ہوتی ہیں مثلاً:

(۱) تعظیم: جیسے رَكِبَ سَيْفُ الدَّوْلَةِ۔ سيف الدولہ سوار ہوا یہاں سيف الدولہ (علم) تعظیم کے لیے ذکر کیا۔

(۲) اہانت (توہین کرنا) جیسے ذَهَبَ صَخْرٌ (فخر چلا گیا) یہاں صخر علم ہے اور اس کی اہانت مقصود ہے۔

(۳) کنایہ: کسی ایسے معنی سے کنایہ کرنا وہ جس کے لائق ہے۔ جیسے بَشَّ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ۔ ابولہب کے ہاتھ نوٹ گئے۔ لہب کا معنی شعلہ ہے تو ابولہب جہنم کے لائق تھا اس لیے یہ علم ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا۔

اسم اشارہ:

اسم اشارہ اس وقت لاتے ہیں جب اس کے معنی کو حاضر کرنے کا یہی طریقہ ہو

(کوئی دوسرا طریقہ نہ ہو) جیسے کسی چیز کا نام اور وصف معلوم نہ ہو تو اس کی طرف اشارہ کر کے کہیں گے۔

بمعنی هذا۔ یہ چیز مجھ پر تپو

چونکہ یہاں نام لے کر یا وصف بیان کر کے بتانا ممکن نہیں لہذا اشارہ کیا۔ اور اگر یہ طریقہ (اشارہ) معین نہ ہو (بلکہ کوئی اور طریقہ بھی ہو) تو اشارہ دیگر اغراض کے لیے ہوتا ہے مثلاً:

(۱) کسی نادروغریب حکم کو ظاہر کرنا جیسے:

كَمْ عَاقِلٍ عَاقِلٍ أَعْيَتْ مَذَاهِبُهُ وَجَاهِلٍ جَاهِلٍ تَلَقَّاهُ مَرُّوفاً

هَذَا الَّذِي تَرَكَ الْأَوْهَامَ حَائِرَةً وَضَيَّرَ الْعَالَمَ النَّحْرِيَّ زَنْدِيقاً

کتنے بڑے بڑے عقلمند ہیں جن کے ذرائع معاش بند ہو گئے اور کتنے جاہل ہیں کہ تم ان سے خوشحالی کی حالت میں ملتے ہو یہ وہ چیز ہے جس نے عقلوں کو حیران کر دیا اور ماہر عالم کو بے دین کر دیا۔

چونکہ عقلمند کا بھوکا اور جاہل کا مالدار ہونا تعجب خیز بات ہے اسے ظاہر کرنے کے لیے اسم اشارہ ”هَذَا“ لایا گیا۔

(۲) کمال عنایت بعض اوقات اسم اشارہ کے ذریعے کمال عنایت مراد ہوتا ہے جیسے

هَذَا الَّذِي تَعْرِفُ الْبُطْحَاءَ وَطَائِفَهُ

وَالْبَيْتَ يَعْرِفُهُ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ

یہ (امام زین العابدین رضی اللہ عنہ) وہ شخص ہیں جن کی رفتار کو عرب کی پتھر ملی زمین پہچانتی ہے بیت اللہ شریف اور حل و حرم کو بھی اس کی پہچان ہے۔

یہاں هذا کے ذریعے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی شان کی طرف

متوجہ کیا گیا کہ زمین اور پتھر بھی آپ کی پہچان رکھتے ہیں۔

(۳) قرب و بعد میں حالت کا بیان: جیسے

هَذَا يُوسُفُ یہ یوسف ہے۔ ذَاكَ اخوُكَ وہ تیرا بھائی ہے ذلک غلامہ وہ اس کا غلام ہے۔ قَرِيبَ کے لیے ہذا درمیانے فاصلہ کے لیے ذاک اور بعید کے لیے ذلک استعمال ہوا۔

(۴) تعظیم کے لیے: جیسے اِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ اَقْوَمُ

بے شک یہ قرآن اس راستے کی ہدایت دیتا ہے جو زیادہ سیدھا ہے۔

یہاں قریب کا اشارہ تعظیم کے لیے استعمال ہوا کہ قریب ہونے کے باوجود اس کی طرف اشارہ کیا۔ اور ذلک الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ یہ کتاب ہے جس میں شک کی گنجائش نہیں۔ اگرچہ کتاب قریب ہے لیکن تعظیم کی خاطر بعید کا اشارہ کیا یعنی مرتبہ کے اعتبار سے دور (یعنی بلند) ہے

(۵) تحقیر کے لیے: جیسے اِهْدِ الَّذِي يَذْكُرُ الْهَيْكَلُ

کیا یہ شخص تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے۔

یہاں قریب کا اشارہ توہین کے لیے استعمال ہوا اور ذلک الَّذِي يَذْكُرُ الْهَيْكَلُ تو وہ شخص جو یتیم کو دھنکا رہا ہے اگرچہ قریب ہے لیکن حقیر قرار دیتے ہوئے بعید کا اشارہ استعمال کر کے اس کے دور ہونے کی طرف اشارہ کیا۔

اسم موصول

جب سامع کے ذہن میں معنی کو حاضر کرنے کے لیے موصول کا طریقہ ہی متعین ہو تو اس وقت موصول لایا جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے کل تمہارے ساتھ سفر کیا اور اس کا نام معلوم نہ ہو تو کہا جاتا ہے۔

الَّذِي كَانَ مَعَنَا أَمْسَ مُسَافِرًا. وہ شخص جو کل ہمارے ساتھ تھا وہ مسافر ہے اور اگر اسم موصول والا طریقہ متعین نہ ہو بلکہ کوئی دوسرا طریقہ بھی ہو تو اسم موصول کو دیگر اغراض کے لیے لایا جاتا ہے مثلاً:

(۱) تعلیل: (علت بیان کرنا) جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا
بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے ان کے لیے مہمانی کے طور پر جنت الفردوس ہے۔

یہاں جنت میں جانے کی علت ایمان اور اعمال صالحہ ہیں اور ان لوگوں کو اسم موصول الذین کے ساتھ بیان کیا۔

(۲) مخاطب کے غیر سے بات چھپانا: جیسے

وَأَخَذْتُ مَا جَاءَ الْأَمِيرُ بِهِ
وَقَضَيْتُ حَاجَاتِي كَمَا أَهْوَى

میں نے وہ چیز لی جس کے ذریعے امیر نے سخاوت کی اور تم نے میری حاجتوں کو پورا کیا جیسا کہ میں نے خواہش کی۔

یہاں اس چیز کا نام نہیں لیا جو بادشاہ نے سخاوت یا میں نے خواہش کی بلکہ دونوں کی جگہ ما موصول استعمال ہوا تا کہ مخاطب کے علاوہ کسی کو اس چیز کا علم نہ ہو۔

(۳) غلطی پر تنبیہ کے لیے: جیسے

إِنَّ الَّذِينَ تَرَوْهُمْ إِيْخْوَانَكُمْ
يَشْفِيْ غَلِيْلٌ صُدُوْرِهِمْ أَنْ تُصْرَعُوْا

بے شک جن لوگوں کو تم اپنے بھائی سمجھتے ہو ان کے دلوں کی پیاس کو یہ بات بجھاتی ہے کہ تم ہلاک ہو جاؤ۔

اس میں مخاطب کی غلطی پر اسے آگاہ کیا کہ جو تمہارے مخالف ہیں ان کو تم بھائی سمجھتے ہو الذین (اسم موصول) کی جگہ نام سے یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا۔

(۴) محکوم بہ (خبر) کی عظمت شان کے لیے: جیسے

إِنَّ الَّذِي سَمَكَ السَّمَاءَ بَنَى لَنَا

بَيْنَا دَعَائِمَهُ أَعَزُّ وَأَطْوَلُ

وہ ذات جس نے آسمان کو بلند کیا اس نے ہمارے لیے ایک ایسا گھر بنایا جس کے ستون بہت بڑے اور معزز ہیں۔

(۵) تعظیم یا تحقیر کی غرض سے ڈرنا: جیسے

فَغَشِيَهُمْ مِنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ اور ان پر (فرعون اور اس کے لشکر پر) سمندر سے وہ چیز چھا گئی جو ان پر چھا گئی۔ یہاں ما اسم موصول سے اس چیز کی بڑائی کی طرف اشارہ ہے۔

اور مَنْ لَمْ يَذَرِ حَقِيقَةَ الْحَالِ قَالَ مَا قَالَ۔ جو شخص حقیقت کا علم نہیں رکھتا وہ کہتا ہے جو کچھ کہتا ہے۔ اس میں من اسم موصول کے ذریعے حقارت کی طرف اشارہ ہے (کہ اس کی بات کی کوئی وقعت نہیں)

(۶) تہکم یعنی استہزاء کے لیے: جیسے

يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْكَ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ۔ اے وہ شخص جس پر

ذکر نازل ہوا بے شک تم مجنون ہو۔

یہاں الذی اسم موصول ہے اور اس کے ذریعے مذاق اڑایا گیا۔

معرف باللام

کسی اسم کو الف لام کے ساتھ معرفہ لانے کی چند اغراض ہیں۔

(۱) نفس جنس کی حکایت مطلوب ہو جیسے

الْإِنْسَانُ حَيَوَانٌ نَّاطِقٌ. انسان حیوان ناطق ہے۔ یہاں جنس انسان مراد

ہے یعنی کوئی بھی انسان ہو خاص کوئی فرد مراد نہیں اسے الف لام جنسی کہتے ہیں۔

(۲) جنس کا کوئی خاص فرد مراد ہو اسکی تین صورتیں ہیں۔

(الف) اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہو جیسے:

كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ. جیسا کہ ہم

نے فرعون کی طرف رسول بھیجا پس فرعون نے رسول کی نافرمانی کی۔ یہاں الرسول سے

وہ رسول مراد ہیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے اور وہ رسولا کا لفظ ہے۔

(ب) یا وہ معهود (خاص فرد) خود موجود ہے جیسے:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ. آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے

دین کو مکمل کر دیا

(ج) یا سامع اسے جانتا ہے جس کا ذکر ہو رہا ہے جیسے:

إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ. جب صحابہ کرام درخت کے نیچے آپ

ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کر رہے تھے۔ تَوَالِ الشَّجَرَةِ (درخت) کو سننے والا جانتا

ہے۔ ان صورتوں میں الف لام عہد یہ کہلاتا ہے۔

(۳) جنس کے تمام افراد کا بیان ہوتا ہے جیسے

إِنَّ الْإِنْسَانَ لِفِيْ خُسْرٍ: بے شک تمام انسان نقصان میں ہیں۔ اس الف

لام کو الف لام استغراقیہ کہا جاتا ہے۔

نوٹ: بعض اوقات الف لام سے کسی فرد کے ضمن میں جنس مراد ہوتی ہے جیسے:

وَلَقَدْ أَمَرْتُ عَلَى اللَّيْمِ يَسْبِيْ

فَهَضِيْتُ ثَمَّةً قُلْتُ لَا يَغْنِيْ

میں کسی کمینے آدمی کے پاس سے گزرتا ہوں تو وہ مجھے گالی دیتا ہے پس میں وہاں

سے گزر جاتا ہوں اور (اپنے آپ سے) کہتا ہوں کہ اس نے مجھے مراد نہیں لیا۔

یہاں اللیم سے فرد مراد ہے لیکن معین نہیں لہذا کوئی بھی کمینہ ہو وہ مراد ہوگا۔

نوٹ: جب الف لام خبر پر داخل ہو تو قصر کا فائدہ دیتا ہے جیسے: وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ

صرف وہی (اللہ تعالیٰ) بہت بخشنے والا بہت محبت کرنے والا ہے۔

یعنی زیادہ بخشش و محبت اس کے ساتھ خاص ہے کسی دوسرے میں نہیں پائی جاتی۔

معرفہ کے لیے مضاف

جب مضاف کے معنی کے لیے یہی طریقہ متعین ہو تو اس وقت اسے کسی معرفہ کی

طرف مضاف کرتے ہیں جیسے:

کِتَابٌ سِيبَوِيَّةٌ سِيبَوِيَّةٌ کی کتاب سَفِينَةُ نُوحٍ نوح علیہ السلام کی کشتی اور

اگر یہ طریقہ متعین نہ ہو بلکہ اس کے تعارف کا کوئی دوسرا طریقہ بھی ہو تو دیگر اغراض کے لیے

مضاف لایا جاتا ہے۔

اضافت کی اغراض

(۱) جب کثرت کرنا متعدد اور مشکل ہو جیسے:

أَجْمَعَ أَهْلُ الْحَقِّ عَلَى كَذَا. اہل حق نے فلاں بات پر اتفاق کیا چونکہ اہل حق بے شمار ہیں اور ان کے نام لینا مشکل ہے اس لیے اہل الحق کہا یعنی اہل کو حق کی طرف مضاف کیا تو سب کا ذکر ہو گیا۔

أَهْلُ الْبَلَدِ كِرَامٌ. شہر والے عزت والے ہیں۔

تمام شہریوں کے نام لے کر کہنا کہ فلاں فلاں عزت والے ہیں مشکل ہونے لگی وجہ سے اضافت کا طریقہ اختیار کیا گیا۔

(۲) بعض کی تقدیم سے بچنا: یعنی جب سب کا ذکر کیا جائے تو کسی کا نام پہلے اور کسی کا بعد میں لکھا جاتا ہے اس لیے اضافت کے ساتھ ان کا ذکر کرتے ہیں جیسے:

حَضَرَ أُمَرَاءُ الْجُنْدِ - لشکر کے امراء حاضر ہوئے

(۳) تعظیم کے لیے: مضاف یا مضاف الیہ یا ان دونوں کے غیر کی تعظیم کے لیے اضافت کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔
مضاف کی تعظیم جیسے:

كِتَابُ السُّلْطَانِ حَضَرَ - بادشاہ کی کتاب حاضر ہے۔ یہاں کتاب کی عظمت ہے کہ بادشاہ کی طرف اضافت کی گئی۔
مضاف الیہ کی تعظیم جیسے:

هَذَا خَادِمِي. یہ میرا خادم ہے۔ یہاں مضاف الیہ کی تعظیم ہے یعنی میں ایسی شخصیت ہوں کہ میرے ہاں خادم بھی ہے۔
دونوں کے غیر کی تعظیم جیسے:

أَخُو الْوَزِيرِ عِنْدِي. وزیر کا بھائی میرے پاس ہے۔ یہاں مضاف یعنی اخو اور مضاف الیہ یعنی وزیر کی تعظیم مقصود نہیں بلکہ ان کے غیر یعنی متکلم کی تعظیم ہے گویا متکلم اپنی

شان بیان کر رہا ہے کہ میرے پاس وزیر کا بھائی آیا ہے۔

(۴) حقارت بیان کرنے کے لیے:

مضاف یا مضاف الیہ یا ان کے غیر کی حقارت بتانے کے لیے اضافت کا طریقہ

اختیار کیا جاتا ہے۔ جیسے: ”هَذَا ابْنُ اللَّصِّ“ یہ چور کا بیٹا ہے۔

اللِّصُّ رَفِيقٌ هَذَا

یہاں مضاف کی تحقیر مقصود ہے کہ وہ چور کا بیٹا ہے۔

یہاں مضاف الیہ یعنی هَذَا کی تحقیر مقصود ہے کہ یہ ایسا گھٹیا آدمی ہے کہ اس کا

ساتھی چور ہے۔

أَخُو اللَّصِّ عِنْدَ عَمْرٍو۔ چور کا بھائی عمرو کے پاس ہے۔

یہاں مضاف اخو اور مضاف الیہ اللص کی حقارت بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ عمرو

کی تحقیر مقصود ہے کہ یہ ایسا گھٹیا شخص ہے کہ اس کے پاس چور کا بھائی بیٹھا ہوا ہے۔

(۵) مقام کی تنگی کی وجہ سے اختصار کرنا۔ جیسے:

هَوَايَ مَعَ الرَّكْبِ الْيَمَانِيِّنِ مُصْعَدُ

جَنْيَبَ وَجْهِي بِمَكَّةَ مُؤْتَقُ

میرا محبوب یعنی سواروں کے ساتھ ان کے پہلو بہ پہلو جا رہا ہے اور میرا جسم مکہ

میں قید ہے۔

یہاں ”الَّذِي هَوَا“ جس سے میں محبت کرتا ہوں کی بجائے اضافت کے

ساتھ ”هَوَايَ“ کہا یعنی میرا بوب کیونکہ وقت تنگ تھا لہذا مختصر گفتگو کی گئی۔

منادی:

جب مخاطب کے لیے کوئی خاص عنوان معلوم نہ ہو تو ندا کی جاتی ہے جیسے:

”يَا رَجُلُ“ اے مرد ”يَا فَتَى“ اے نوجوان۔

بعض اوقات اس علت کی طرف اشارہ کے لیے خطاب کیا جاتا ہے جو اس سے مطلوب ہو۔ جیسے: يَا غُلَامُ احْضِرِ الطَّعَامَ۔ اے غلام کھانا لاؤ۔ يَا خَادِمُ اسْرِجِ الْفَرَسَ۔ اے خادم گھوڑے پر زین کس دو۔ یہاں نام کی بجائے ایسے لقب سے خطاب کیا جو ان کاموں کے لیے سبب ہیں یعنی غلام یا خادم ہونا۔ یا کوئی ایسی غرض کے لیے ندا لائی جاتی ہے جس کا اعتبار یہاں ممکن ہو اور وہ اغراض میں سے ہو جن کا نداء کی بحث میں ذکر کیا گیا ہے۔

نکرہ

جب اس شخص کے بارے میں جس کا ذکر کیا جا رہا ہے تعریف کی کوئی جہت معلوم نہ ہو تو اسے نکرہ لاتے ہیں۔ جیسے: جَاءَ هُنَا رَجُلٌ۔ یہاں مرد آیا۔

یہ اس وقت کہتے ہیں جب اس آنے والے کا نام اور صلہ وغیرہ معلوم نہ ہو۔

نکرہ لانے کی کئی دوسری اغراض بھی ہیں:

اغراض نکرہ

درج ذیل اغراض کے لیے اسم کو نکرہ لایا جاتا ہے۔

(۱) کثرت و قلت بیان کرنا:

جیسے: لِفُلَانٍ مَالٌ۔ فلاں کے پاس بہت مال ہے۔

رِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ۔ اللہ تعالیٰ کی تھوڑی سی رضا بھی بہت بڑی ہے۔

مال کا نکرہ لانا بیان کثرت اور وضوان کا نکرہ لانا بیان قلت کے لیے ہے۔

(۲) عظمت و حقارت بیان کرنا: جیسے

لَهُ حَاجِبٌ عَنْ كُلِّ أَمْرٍ يَشِينُهُ

وَلَيْسَ لَهُ عَنْ طَالِبِ الْعُرْفِ حَاجِبٌ

اس کے لیے ہر عیب والے کام سے رکاوٹ ہے لیکن نیکی کی طلب سے کوئی

رکاوٹ نہیں۔

پہلے حاجب کا نکرہ لانا تعظیم کی خاطر ہے یعنی برائی سے روکنے والی بہت بڑی

رکاوٹ ہے اور دوسرے حاجب کی تکلیف حقارت کے لیے ہے یعنی نیکی سے روکنے کے لیے

معمولی حاجب (رکاوٹ) بھی نہیں ہے۔

(۳) نفی کے بعد عموم:

یعنی حرف نفی کے بعد نکرہ عمومیت کے لیے لایا جاتا ہے۔ جیسے مَا جَاءَ نَا مِنْ

بَشِيرٍ . ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا نہیں آیا۔ یہاں حرف نفی مَا اور نکرہ لفظ بَشِيرٍ

ہے لہذا ہر قسم کے بشیر کی نفی ہوئی کیونکہ نکرہ نفی کے تحت عموم کا فائدہ دیتا ہے۔

(۴) کسی معین فرد یا نوع کا قصد:

جیسے: وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَّاءٍ . اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے جانور کو ایک خاص پانی

سے پیدا کیا۔

یہاں دابة کو نکرہ لا کر معین فرد کی طرف اشارہ کیا اور ماء کو نکرہ لا کر خاص نوع کی

طرف اشارہ کیا گیا۔

(۵) کسی قائل کو پوشیدہ رکھنا:

یعنی مخاطب سے قائل کو چھپانا تاکہ وہ اسے اذیت نہ دے مثلاً یوں کہا جائے۔
 قَالَ رَجُلٌ إِنَّكَ انْحَرَفْتَ عَنِ الصَّوَابِ. ایک آدمی نے کہا کہ تم راہ راست سے
 بھٹک گئے ہو۔ یہاں کہنے والے کا نام نہیں لیا تاکہ مخاطب اسے اذیت نہ پہنچائے۔

اطلاق و تقیید

مطلق و مقید حکم

جب جملہ میں صرف مسند اور مسند الیہ کا ذکر ہو تو حکم مطلق ہوتا ہے اور جب ان
 دونوں پر کچھ زیادہ کیا گیا ہو چاہے وہ زائد ان دونوں یا ان میں سے ایک سے متعلق ہو تو
 اسے مقید کہتے ہیں۔

حکم کو مطلق و مقید لانا

جب کسی وجہ کے ساتھ حکم کو مقید کرنے سے کسی غرض کا تعلق نہ ہو تو حکم مطلق ہوتا
 ہے تاکہ سننے والا ہر ممکن طریقے کو اختیار کر سکے اور جب کسی خاص وجہ سے حکم کو مقید کرنا
 مطلوب ہو تو حکم کو مقید لایا جاتا ہے کیونکہ اس مطلوب کی رعایت نہ کی جائے تو فائدہ حاصل
 نہیں ہوتا۔

تفصیل

حکم کو مفاعیل (مفعول کی جمع) وغیرہ (جیسے حال، تمیز اور استثناء) نواسخ، شرط،
 نفی اور تابع وغیرہ کے ذریعے مقید کیا جاتا ہے۔

نوٹ: نواسخ سے وہ افعال اور حروف مراد ہیں جو مبتدا اور خبر کے حکم کو زائل کر دیں جیسے

افعال ناقصہ وغیرہ۔ اور مفاعیل خمسہ یعنی پانچ مفعول مثلاً مفعول بہ، مفعول مطلق، مفعول
لہ، مفعول فیہ اور مفعول معہ مراد ہیں۔

مفاعیل وغیرہ

مفاعیل وغیرہ سے حکم کو مقید کرنے کی وجہ فعل کی نوع بیان ہوتی ہے یا جس پر فعل
واقع ہو یا جس میں فعل واقع ہو یا جس کی وجہ سے فعل واقع ہو یا جس سے ملنے کی وجہ سے فعل
واقع کا بیان ہوتا ہے یا حالت اور ذات کا ابہام دور کرنے کے لیے حال اور تمیز کی قید لائی
جاتی ہے۔

نوعیت کی مثال: اَكْرَمْتُ اَهْلَ الْعِلْمِ۔ میں نے اہل علم کی عزت کی طرح عزت
کی (یہاں اکرام مفعول مطلق ہے جو نوع بتانے کے لیے ہے)

جس پر فعل واقع ہو مثلاً: قَرَأْتُ الْكِتَابَ۔ میں نے کتاب پڑھی (یہاں
الکتاب (مفعول) کی قید ہے اور قرأت فعل الکتاب پر واقع ہوا)

جس میں فعل واقع ہو اس کی مثال: جَلَسْتُ فِي الْمَسْجِدِ۔ میں مسجد میں
بیٹھا۔ (یہاں المسجد ظرف ہے اور بیٹھنے کا فعل مسجد میں واقع ہوا)

جس کے لیے فعل لایا گیا جیسے: ضَرَبْتُ تَأْدِيَةً۔ میں نے اس کو ادب سکھانے
کے لیے مارا (یہاں ادب سکھانے کے لیے مارنے کا عمل واقع ہوا تا دیبا مفعول لہ ہے)

مقارنت (ملنا) کی مثال: سَرْتُ وَطَرِيقَ الْمَدِينَةِ۔ میں شہر کے راستے پر چلا۔
(یہاں سرت فعل طریق المدینہ کے ساتھ ملا ہوا ہے)

مبہم ہیئت کے بیان کے لیے حال کی قید ہوتی ہے جیسے: ضَرَبْتُ قَائِمًا۔ میں
نے مارا اس حال میں کہ میں کھڑا تھا۔ (یہاں مارنے کی حالت کا ابہام دور کیا کہ کھڑے
ہونے کی حالت میں مارا)

ذات کا ابہام دور کرنے کے لیے تمیز کی قید لگائی جاتی ہے: جیسے طَبْتُ نَفْسًا
میں ذاتی طور پر خوش ہوا (اچھا ہوا) طبت کا ابہام دور کرنے کے لیے تمیز نفسا کا اضافہ کیا
گیا۔

(۲) کبھی قید لانے کا مقصد حکم کی عدم شمولیت (عموم نہ ہو) بتانا ہے۔ جیسے: جاء نبي
رجل عالم۔ میرے پاس وہ آدمی آیا جو عالم ہے۔ عالم کی قید سے اس بات کو واضح کیا گیا
کہ آنے میں عمومیت کو ختم کیا گیا۔

نوٹ: ان تمام صورتوں میں قیود کی حیثیت مقصودی ہوتی ہے اور ان کا فائدہ ہوتا ہے اور ان
میں بغیر کلام جھوٹا یا ذاتی طور پر غیر مقصودی ہوتا ہے۔ جیسے وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا لَا عَيْنٍ۔ (اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے
درمیان ہے کو بے مقصد نہیں بنایا)

یہاں لَا عَيْنٍ کی قید اصلی مقصد ہے اگر یہ نہ ہو تو کلام کا ذب ہو جاتا ہے کیونکہ
مقصد آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی نفی نہیں بلکہ ان کے بے مقصد ہونے کی نفی ہے۔
نواح:

جملہ میں نواح کی قید ان اغراض کے لیے ہوتی ہے جن تک ان الفاظ کے معانی
پہنچاتے ہیں۔ جیسے ”کَمَانَ“ میں استمرار یا زمانے کی حکایت۔ اسی طرح ظَلَّ، بَاتَ،
أَصْبَحَ، أَمْسَى، أَضْحَى میں خاص زمانے کے ساتھ معین کرنا۔

دَامَ میں حالت معینہ کے ساتھ متعین کرنا کَادَ، كَرَبَ اور أَوْشَكَ میں
مقاربت (فعل کا قریب ہونا) وَجَدَ، أَلْفَى، دَوِيَ، تَعَلَّمَ، وغیرہ افعال قلوب میں یقین کا
پایا جاتا۔ یہاں جملہ اسم اور خبر یا دو مفعولوں سے منعقد ہو جاتا ہے۔ جب تم کہو طَبْتُ زَيْدًا
قَائِمًا میں نے زید کو کھڑا ہونا گمان کیا تو معنی یہ ہوگا زید ظن کے طور پر کھڑا ہے تو یہاں جملہ دو
مفعولوں زَيْدًا اور قَائِمًا سے بنا اور فعل ظن حکم کی قید ہے (کیونکہ زید قائم جملہ مکمل ہے)

شرط

شرط کے ساتھ کلام کو مقید کرنا ان اغراض کے لیے ہوتا ہے جو کلمات شرط کے معانی ادا کرتے ہیں۔ جیسے:

مٹی اور آیان میں زمانہ آئین ، آئی اور خیفٹما میں مکان (جگہ) اور خیفٹما میں حال کا معنی پایا جاتا ہے۔

نوٹ: اس کا مکمل بیان اور کلمات شرط کے درمیان فرق علم نحو میں ذکر کیا جاتا ہے لیکن یہاں ان اِذَا اور لَوْ میں فرق بیان کیا جائے گا کیونکہ ان حروف میں کچھ ایسی زائد خصوصیات ہیں جو علم بلاغت میں شمار ہوتی ہیں۔

ان اِذَا اور لَوْ میں فرق:

ان اور اِذَا مستقبل میں شرط کے لیے آتے ہیں اور لَوْ ماضی میں شرط کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اور لفظ میں اصل یہ ہے کہ وہ اپنے معنی کے تابع ہوتا ہے پس ان اور اِذَا کے ساتھ فعل مضارع اور لَوْ کے ساتھ فعل ماضی ہونا چاہیے۔ جیسے:

وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ (دوزخی) پانی مانگیں تو انہیں تیل کی تلچھٹ کی طرح پلایا جائے گا۔

يَسْتَغِيثُوا مضارع کا صیغہ ہے جو ان کے ساتھ آیا ہے

وَإِذَا تَرَدُّ إِلَى قَلِيلٍ تَقَنَّعَ : اور جب تھوڑی چیز کی طرف لوٹائے جائے تو تم قناعت کرو گے۔

یہاں تود مضارع کا صیغہ ہے جو اِذَا کے ساتھ آیا ہے۔

وَلَوْ شَاءَ لِهَذَا كُمْ أَجْمَعِينَ : اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو ہدایت دیتا۔

یہاں ہذا ماضی کا صیغہ ہے جو لو کے ساتھ آیا ہے۔

ان اور اذا میں فرق:

قاعدہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ شرط کا واقع ہونا یقینی نہیں اور اذا کے ساتھ شرط کا واقع ہونا یقینی ہے اسی لیے اذا کے ساتھ ماضی کا صیغہ زیادہ استعمال ہوتا ہے گویا شرط فعل کے ساتھ واقع ہوتی ہے جب کہ ان کا معاد اس کے برعکس ہے۔

مثلاً جب تم کہو: اِنْ اَبْرَأْ مِنْ مَرَضِيْ اَتَصَدَّقْ بِاَلْفِ دِينَارٍ

اگر میں اپنی بیماری سے ٹھیک ہو گیا تو ایک ہزار دینار صدقہ کروں گا۔

تو تمہیں ٹھیک ہونے کا شک ہے (یقین نہیں)

اور جب تم کہو: اِذَا بَرَأْتُ مِنْ مَرَضٍ تَصَدَّقْتُ

جب میں بیماری سے ٹھیک ہوا تو صدقہ کروں گا

اس صورت میں تمہیں ٹھیک ہونے کا یقین ہے یا تم یقین والے کی طرح ہو۔ نتیجہ

یہ ہوا کہ جو امور کبھی کبھی واقع ہوتے ہیں ان کا ذکر ان کے ساتھ ہوتا ہے اور جو اکثر واقع

ہوتے ہیں ان کو اذا کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ جیسے: ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَاِذَا جَاءَ تَهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَذِهِ وَاِنْ تَصِبُّهُمْ سَيِّئَةٌ يَطْفِرُوْا

بِمُوسَى وَمَنْ مَعَهُ

پس جب ان کے پاس بھلائی آتی تو کہتے ہمارے لیے ہے اور جب انہیں کوئی

برائی پہنچتی ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں سے بدقالی لینے لگتے ہیں۔

یہاں الْحَسَنَةُ کا ذکر اذا اور صیغہ ماضی کے ساتھ ہے کیونکہ اچھائی کا حصول

بکثرت تھا۔ اسی لیے اس پر الف لام جنسیت کا لایا گیا جس کے تحت تمام انواع آتی ہیں اور

سیدہ نادر الوقوع ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اس پر الف لام نہیں بلکہ وہ مکرہ برائے تغلیل ہے تو اس کا ذکر ان اور مضارع کے ساتھ ہوا اور اس برائی سے قحط سالی مراد ہے تو اس آیت میں کافروں کا نعمتوں سے انکار کرنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر سختی کرنے کا ذکر ہے جو واضح ہے۔

لَوْ کا استعمال

حرف لَوْ ماضی میں شرط کے لیے آتا ہے اسی لیے اس کے ساتھ فعل ماضی ملا ہوا ہوتا ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَأَسْمَعَهُمْ أَكْرَمَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى ان میں بھلائی دیکھتا تو ان کو سنا دیتا

جملہ شرطیہ کا مقصود ذاتی

گذشتہ تقریر سے معلوم ہوا کہ جملہ شرطیہ سے بالذات جواب (جواب شرط) مقصود ہے پس جب تم کہو۔

اِنْ اَجْتَهَدَ زَيْدٌ اَكْرَمْتُهُ اگر زید نے کوشش کی تو میں اس کی عزت کروں گا تو اس جملے میں تم اس بات کی خبر دے رہے ہو کہ تم زید کی عزت کرو گے لیکن اس صورت میں جب وہ کوشش کرے عام حالات میں نہیں لہذا اپنے جواب کے اعتبار سے جملہ شرطیہ جملہ خبریہ یا انتہائیہ شمار ہوتا ہے۔

نفی کے ساتھ مقید

نفی کے ساتھ حکم کو مقید کرنے کی وجہ نسبت کو اس مخصوص طریقے پر سلب کرنا ہے جس کا فائدہ حروف نفی سے حاصل ہوتا ہے۔

حروف نفی

حروف نفی چھ ہیں: لَا، مَا، اِنْ، لَنْ، لَمْ، لَمَّا

لَا: مطلق نفی کے لیے آتا ہے۔

مَا اور اِنْ: اگر مضارع پر داخل ہوں تو زمانہ حال کی نفی کے لیے آتے ہیں۔

لَنْ: زمانہ مستقبل کی نفی کے لیے آتا ہے۔

لَمْ اور لَمَّا: ماضی کی نفی کے لیے آتے ہیں۔

لَمْ اور لَمَّا میں فرق

لَمَّا کے ذریعے نفی افنگلو کے زمانے تک پہنچتی ہے اور اس کا تعلق ان امور سے

ہوتا ہے جن کا حصول متوقع ہو (جب کہ لَمْ میں یہ دونوں باتیں نہیں ہوتیں) اس لیے یہ کہنا

صحیح نہیں ہے۔

لَمَّا يَقُمْ زَيْدٌ ثُمَّ قَامَ : ابھی تک زید کھڑا نہیں ہوا پھر کھڑا ہوا اور یہ کہنا بھی صحیح نہیں لَمَّا

يَجْتَمِعُ النِّقِیْضَانِ ابھی تک دو نقیضیں جمع نہیں ہوئیں۔

چونکہ دو نقیضوں مثلاً رات اور دن کا جمع متوقع نہیں ہوتا اس لیے یہاں لَمَّا کے

ساتھ لانا صحیح نہیں۔

یہ کہنا صحیح ہے: لَمْ يَقُمْ ثُمَّ قَامَ وہ کھڑا نہیں تھا پھر کھڑا ہوا

اور یہ کہنا بھی صحیح ہے

النِّقِیْضَانِ لَمْ يَجْتَمِعَا : دو نقیضیں جمع نہیں ہوئیں

لہذا نفی میں لَمَّا اسی طرح ہے جس طرح اثبات میں حرف قَدْ ہے جس طرح

حرف قَدْ اثبات کو حال کے قریب کرتا ہے اسی طرح لَمَّا نفی کو حال کے قریب کرتا ہے۔

لہذا الفا کے ذریعے جس بات کی نفی ہوتی ہو وہ حال سے قریب ہوتی ہے اس لیے یہ کہنا درست نہیں ہوتا۔

لَمَّا يَجِيءُ مُحَمَّدٌ فِي الْعَامِ الْمَاضِي محمد گذشتہ سال میں نہیں آئے۔
کیونکہ الْعَامِ الْمَاضِي کی قید سے حال کا قریب زائل ہو جب کہ لَمَّا میں حال کا قریب ہوتا ہے۔

توابع کے ساتھ حکم کو مقید کرنا
توابع کے ساتھ حکم کو ان اغراض کے لیے مقید کیا جاتا ہے جو ان توابع سے مقصود ہوتی ہیں۔

نعت : حکم کو نعت کے ساتھ مقید کرنے کی درج ذیل اغراض ہیں
۱) تمیز کے لیے :- جیسے حَضَرَ عَلِيٌّ الْكَاتِبُ وہ علی حاضر ہوا جو کاتب ہے۔
یہاں الْكَاتِبُ نعت ہے جس نے حَضَرَ کے فاعل علی کو اس نام کے دوسرے لوگوں سے ممتاز کیا۔

۲) کشف (وضاحت) کے لیے :- جیسے کہا جاتا ہے
الْجِسْمُ الطَّوِيلُ الْعَرِيضُ الْعَمِيقُ يَشْغُلُ حِيزًا مِّنَ الْفَرَاغِ
لمبا، چوڑا اور گہرا جسم فارغ جگہ کو گھیر لیتا ہے۔
یہاں الطَّوِيلُ، الْعَرِيضُ اور الْعَمِيقُ نعت ہے جس نے جسم کی وضاحت کر دی۔

۳) تاکید کے لیے :- جیسے تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ یہ دس کامل ہیں۔
یہاں كَامِلَةٌ عَشْرَةٌ کی نعت ہے جس سے عشرہ کی تاکید ہوتی ہے۔

﴿۴﴾ مدح کے لیے: جیسے خَضِرُ خَالِدُ الذَّنْ أَلْهَمَامُ بلند ہمت والا خالد حاضر ہوا۔

یہاں أَلْهَمَامُ نعت ہے جس سے محض خالد کی تعریف مقصود ہے۔

﴿۵﴾ مذمت کے لیے: جیسے: وَأَمْرَانُهُ حَمَالَةُ الْحَطَبِ اور ابولہب کی بیوی جو لکڑیاں اٹھانے والی ہے۔

یہاں اس کی برائی بیان کرنے کے لیے "حَمَالَةُ الْحَطَبِ" کو بطور نعت لایا گیا۔

﴿۶﴾ اظہار رحم کے لیے: جیسے اِرْحَمُ اِلٰی زَيْدٍ الْمُسْكِينِ زید مسکین پر رحم کرو الْمُسْكِينِ نعت کے ذریعے زید پر رحم کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی۔

عطف بیان:

عطف بیان درج ذیل مقاصد کے لیے آتا ہے

﴿۱﴾ محض توضیح: جیسے اَقْسَمَ بِاللّٰهِ اَبُو حَفْصٍ عُمَرُ ابو حفص عمر نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی۔

یہاں لفظ عُمَرُ عطف بیان ہے جس کے ذریعے وضاحت کی گئی کہ ابو حفص سے کون مراد ہے۔

﴿۲﴾ توضیح مع مدح: جیسے جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِلنَّاسِ

اللہ تعالیٰ نے کعبہ شریف کو جو عزت والا گھر ہے لوگوں کے امن کی جگہ بنایا۔

یہاں الْبَيْتَ الْحَرَامَ عطف بیان ہے جس میں الکعبہ کی وضاحت بھی ہے

اور تعریف بھی۔

نوٹ: توضیح میں یہ بات کافی ہے کہ دوسرا اسم (عطف بیان) پہلے اسم کی وضاحت کرے

جب دونوں جمع ہوں اگر چہ دونوں کے الگ الگ ہونے کی صورت میں دوسرا اسم (عطف) بیان پہلے اسم سے زیادہ واضح نہ ہو جیسے عَلِيٌّ زَيْنُ الْعَابِدِينَ عَلِيٌّ جُوزَيْنِ الْعَابِدِينَ ہیں۔ اَلْعَسَجَدُ الذَّهَبُ عَسَجِدٌ يَعْنِي سَوْنًا۔

ان دونوں مثالوں میں اجتماع کے وقت دوسرا اسم پہلے کی وضاحت کر رہا ہے کہ علی سے مراد حضرت زین العابدین ہیں اور عسجد سے سونا مراد ہے لیکن جب یہ الگ الگ ہوں تو وضاحت میں برابر ہوتے ہیں۔

عطف نسق

عطف نسق (جہاں حروف عاطفہ ہوں) ان اغراض کے لیے ہوتا ہے جو حروف عاطفہ سے ادا ہوتی ہیں مثلاً حرف عطف فاء ہو تو ترتیب اور تعقیب ہوگی اور حرف عطف ث ہو تو تاخیر بھی ہوتی ہے۔

بدل

بدل ثابت کو زیادہ پکا کرنے اور وضاحت کے لیے آتا ہے۔

مثالیں: بدل الكل: قَدِمَ ابْنِي عَلِيٌّ میرا بیٹا علی آیا

بدل البعض: سَافَرَ الْجُنْدُ أَغْلَبُهُ لشکر کے غالب جتھہ نے سفر کیا

بدل الاشتمال: نَفَعَنِي الْأُسْتَاذُ عِلْمُهُ مجھے استاذ کے علم نے فائدہ دیا

قصر

کسی چیز کو دوسری چیز کے ساتھ مخصوص طریقے سے خاص کرنا قصر کہلاتا ہے۔

قصر کی تقسیم

قصر کی دو قسمیں (۱) قصر حقیقی (۲) قصر اضافی

قصر حقیقی وہ قصر ہے جس میں واقع کے اعتبار سے اور حقیقتاً قصر ہو کسی دوسری چیز کی طرف اضافت کی وجہ سے نہ ہو۔

جیسے: لَا كَاتِبَ فِي الْمَدِينَةِ إِلَّا عَلِيٌّ شہر میں علی کے علاوہ کوئی کاتب نہیں۔

یہ اس وقت کہا جائے گا جب شہر میں علی کے سوا کوئی کاتب نہ ہو۔ گویا کتابت علی کے ساتھ حقیقتاً خاص ہے جب کسی معین شے کی نسبت سے اختصاص ہو تو اسے قصر اضافی کہتے ہیں۔ جیسے

مَا عَلِيٌّ إِلَّا قَائِمٌ علی صرف کھڑا ہے۔

یعنی اس کے لیے کھڑے ہونے کی صفت ہے بیٹھنے کی صفت نہیں ہے (قیام کے علاوہ باقی) تمام صفات کی نفی مقصود نہیں ہے۔

پھر دونوں قسمیں دو قسموں میں تقسیم ہوتی ہیں۔

(۱) قصر صفت علی الموصوف (۲) قصر موصوف علی الصفت

پہلی قسم کی مثال: لَا قَارِسَ إِلَّا عَلِيٌّ صرف علی گھوڑ سوار ہے۔

یہاں صفت گھوڑ سوار ہونا علی (موصوف) کے ساتھ خاص ہے۔

دوسری قسم کی مثال: وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ حضرت محمد ﷺ صرف رسول ہیں۔

یہاں موصوف یعنی حضرت محمد ﷺ رسالت کے ساتھ خاص ہیں۔ (معبود

نہیں ہیں لہذا آپ ﷺ کا وصال فرمانا جائز ہے۔

قصر اضافی کی اقسام

مخاطب کے حال کے اعتبار سے قصر اضافی کی تین اقسام ہیں۔

﴿۱﴾ قصر افراد: جب مخاطب شرکت کا عقیدہ رکھتا ہو مثلاً: مَا أَنَا قَلْتُ صرف میں

نے نہیں کہا۔ مخاطب کا خیال تھا کہ متکلم اور اس کا غیر دونوں نہ کہنے میں شریک ہیں۔

﴿۲﴾ قصر قلب: جب مخاطب جس کا اعتقاد رکھتا ہو مثلاً۔

اَنَا سَقِيتُ فِي حَاجَتِكَ صرف میں نے تیری حاجت کے لیے کوشش کی ہے۔ مخاطب کا خیال تھا کہ متکلم کا غیر اس کی حاجت کو پورا کرنے میں سمجھا ہے۔ تو یہاں اس کا عکس ہو گیا یعنی صرف متکلم نے حاجت پوری کی یہ قصر قلب ہے۔

﴿۳﴾ قصر تعین: جب مخاطب کسی ایک غیر معین کا اعتقاد رکھے۔ جیسے

مَا سَعَى فِی حَاجَتِكَ الْاَزِيدُ زید نے تیری حاجت میں کوشش کی۔ مخاطب کو یہ معلوم تھا کہ کسی ایک نے کوشش کی لیکن وہ متعین نہیں اس سے وہ متعین ہو گیا۔

طرق قصر

قصر کے کئی طریقے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(۱) نفی واستثناء جیسے: اِنْ هَذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ یہ تو کھن فرشتہ ہے۔

(۱) اِنَّمَا جیسے: اِنَّمَا الْفَاحِمُ عَلِيٌّ ان میں سے سمجھدار تو صرف علی ہے۔

(۳) لَا، بَلْ اور لَكِنْ کے ساتھ عطف جیسے: اَنَا فَاثِرٌ لَا نَاطِمٌ میں ٹٹرنے

لا ہوں لظم کہنے والا نہیں۔

مَا اَنَا حَاسِبٌ بَلْ كَاتِبٌ میں حساب کرنے والا نہیں ہوں صرف کاتب

۔

(۴) موخر کو مقدم کرنا: جیسے اِيَّاكَ نَعْبُدُ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔

اِيَّاكَ کا حق یہ تھا کہ وہ بعد میں ہو لیکن اسے مقدم کیا تا کہ حصر کا فائدہ دے یعنی

سوائے کسی کی عبادت نہیں کرتے۔

وصل اور فصل

کسی جملہ کا دوسرے جملہ پر عطف وصل کہا جاتا ہے اور اس عطف کا نہ ہونا فصل ہے یہاں صرف واو کے ساتھ عطف کی بحث ہوگی کیونکہ اس کے علاوہ حروف عاطفہ سے کسی قسم کا شبہ پیدا نہیں ہوتا اور واو کے ساتھ وصل اور (اس کے ترک کے ذریعے) فصل کے کئی مقامات ہیں۔

وصل کے دو مقام:

پہلا مقام: جب دونوں جملے خبر یا انشاء ہونے کے اعتبار سے باہم مشق ہوں یا ان دونوں کے درمیان کوئی جامع جہت ہو یعنی مناسبت تامہ ہو اور عطف سے کوئی بات مانع نہ ہو۔ جیسے:

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ بے شک نیک لوگ جنت میں اور بدکار لوگ جہنم میں ہوں گے۔

یہ دونوں جملے خبر ہیں اور دونوں کی درمیان مناسبت اس طرح ہے کہ ابرار اور فجار کے درمیان تضاد ہے اور دونوں مسند الیہ ہیں اسی طرح مسند یعنی نعیم اور جہیم بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

دوسری مثال:

فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَكُونُوا كَثِيرًا پس چاہیے کہ وہ تھوڑا ہنسیں اور زیادہ روئیں۔

تو یہ جملہ انشائیہ کا انشائیہ پر عطف ہے۔ اور دونوں جگہ حکم الگ الگ ہیں لہذا عطف میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

دوسرا مقام: جب عطف کو چھوڑنے سے مقصود کے خلاف کا وہم ہو جیسے تم سے کوئی شخص

پوچھے کہ کیا علی بیماری سے صحت یاب ہو گیا ہے تو تم کہو گے۔ لَا وَشَفَاہُ اللہ نہیں (ٹھیک ہوا) اور اللہ تعالیٰ اسے شفاء دے۔ یہ اس کے لیے دعا ہے اب اگر وہ صرف عطف کو چھوڑ دیا اور کہا جائے لَا شَفَاہُ اللہ تو یہ بددعا ہو جائے گی کیونکہ معنی یہ ہوگا اللہ تعالیٰ اسے شفاء دے حالانکہ مقصود دعا ہے۔

مقامات فصل

پانچ مقامات میں فصل ضروری ہے۔ (یعنی حرف عطف نہیں لائیں گے)

پہلا مقام:

جب دونوں جملوں کے درمیان مکمل اتحاد ہو یعنی دوسرا جملہ پہلے جملے سے بدل ہو۔ جیسے
 اَمَدُكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ اَمَدُكُمْ بِاَنْعَامٍ وَبَنِيْنٍ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری اسکو
 چیزوں کے ساتھ مدد کی جنہیں تم جانتے ہو اس نے جانوروں اور بیٹوں کے ذریعے تمہاری
 مدد کی۔

یہاں اَمَدُكُمْ بِاَنْعَامٍ وَبَنِيْنٍ۔ بدل ہے اور دونوں جملوں کے درمیان مکمل
 اتحاد ہے۔ لہذا او او عطف کو چھوڑنا ضروری ہوا۔

یا دوسرا جملہ پہلے جملہ کا بیان ہو۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

يُوْسُوْسُ اِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا اٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةٍ الْخُلْدِ
 شیطان حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں وسوسہ ڈالنے لگا اس نے کہا اے آدم
 (علیہ السلام) کیا میں آپ کو ایسا درخت نہ بتاؤں جس (کا پھل کھانے) سے آدمی ہمیشہ
 باقی رہتا ہے۔

یہاں قَال اَدَم سے آخر تک پہلے جملہ یعنی یوسوس کا بیان ہے کہ شیطان کا بیگ

قول دوسرہ تھا۔

یاد دوسرا جملہ پہلے جملے کی تاکید ہو جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَمَهْلُ الْكَافِرِينَ أَهْلُهُمْ رُوْنِدًا كَافِرُونَ كَوْجُوْر دِيْجِيْے اِن كُو مَهْلَت دِيْجِيْے۔

تَوَاهْلُهُمْ رُوْنِدًا پہلے جملہ کی تاکید ہے اسی بات کو پکا کرتا ہے جو پہلے جملہ میں

مذکور ہے یعنی مہلت دو۔ اس مقام پر دونوں جملوں کے درمیان کمال اتصال ہوتا ہے۔

دوسرا مقام:

دونوں جملے بالکل ایک دوسرے کی ضد ہوں مثلاً ایک خبر یہ اور دوسرا انشائیہ ہو جیسے۔

وَقَالَ رَأَيْتُمْ أُزْسُوا نَزَاوِلَهَا

فَحَتَفَ كُلِّ امْرَأَةٍ يَجْرِي بِمِقْدَارِ

اور ان کے سربراہ نے کہا ٹھہر جاؤ ہم جنگ کا مقابلہ کریں گے پس ہر شخص کی موت مقرر وقت پر آتی ہے۔

یہاں ”اُزْسُوا“ امر کا صیغہ ہونے کی وجہ سے جملہ انشائیہ ہے اور نَزَاوِلَهَا جملہ خبریہ ہے۔ (نَزَاوِلَهَا جواب امر نہیں بلکہ اس کی تعلیل ہے اس لیے یہ مجروم نہیں بلکہ مرفوع ہے)

یاد دونوں جملوں کے درمیان کوئی معنوی مناسبت نہ ہو۔

جیسے عَلِيٌّ كَاتِبٌ الْخَطَامُ طَائِرٌ عَلِيٌّ كَاتِبٌ ہے۔ کبوتر پرندہ ہے۔

یہاں علی کی کثابت اور کبوتر کے اڑنے میں کوئی معنوی مناسبت نہیں ہے اس

موقعہ پر کہا جاتا ہے کہ دونوں جملوں کے درمیان کمال درجہ کا انقطاع ہے۔

تیسرا مقام:

دوسرا جملہ اس سوال کا جواب ہو جو سوال پہلے جملہ سے پیدا ہوتا ہے۔ جیسے

زَعَمَ الْعَوَازِلُ أَنَّنِي فِي غَمْرَةٍ

صَدَقُوا وَلَكِنْ غَمَرَتْنِي لَا تَنْجَلِي

ملامت کرنے والوں نے کہا کہ میں مدہوشی میں ہوں انہوں نے سچ کہا لیکن

میری مدہوشی دور ہونے والی نہیں۔

پہلے جملہ میں سوال پیدا ہوتا تھا کہ کیا انہوں نے سچ کہا تو دوسرے جملہ میں اس کا

جواب ہے کہ ہاں سچ کہا۔ اس مقام پر کہا جاتا ہے کہ دونوں جملوں کے درمیان کمالِ اتصال

کاشبہ ہے۔

چوتھا مقام:

ایک جملہ سے پہلے ایسے دو جملے گزر جائیں کہ اس تیسرے جملہ کا ان میں سے

کسی ایک پر عطف صحیح ہو کیونکہ ان کے درمیان مناسبت ہے اور دوسرے پر عطف کرنا فاسد

ہو۔ جیسے:

وَتَخُنُّ سَلْمَى أَنَّنِي أَبْغَى بِهَا

بَذَلًا أَرَاهَا فِي الضَّلَالِ تَهْنِئُ

سلمی گمان کرتی ہے کہ میں اس کے بدلے کسی اور کو چاہتا ہوں میں سمجھتا ہوں وہ

گمراہی میں بھٹک رہی ہے۔

یہاں تیسرے جملہ اَرَاهَا کا عطف تَخُنُّ پر درست ہے لیکن أَبْغَى پر عطف

کے وہم کی وجہ سے یہ عطف نہیں ہوا۔ چنانچہ اس طرح وہ سلمیٰ کے گمان میں شمار ہو جاتا ہے

حالانکہ یہ مقصود نہیں لہذا ارہا کا عطف نہیں کیا گیا۔

کہا جاتا ہے کہ اس جگہ دونوں جملوں کے درمیان شبہ کمال انقطاع ہے۔

پانچواں مقام:

کسی رکاوٹ کی وجہ سے دو جملوں کو کسی ایک ضم میں شریک کرنے کا قصہ نہ کیا جائے۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِؤْنَ ۗ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ

اور جب وہ اپنے شیطانوں کے ساتھ غیبت کی میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو محض مذاق کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ان کے مذاق کا بدلہ دیتا ہے۔

یہاں ”اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ“ (جملہ) کا عطف ”إِنَّا مَعَكُمْ“ پر صحیح نہیں کیونکہ اس طرح لازم آئے گا کہ یہ بھی منافقین کا قول ہو۔ اور قَالُوا پر عطف کریں تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ اس طرح لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول (اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ) اس وقت سے متعلق ہے جب وہ اپنے شیطانوں (سرداروں) کے پاس جاتے ہیں ایسی جگہ دو جملوں کے درمیان توسط بین الکمالین ہوتا ہے تو مواضع فصل پانچ ہیں۔

(۱) کمال اتصال (۲) کمال انقطاع (۳) شبہ کمال اتصال
(۴) شبہ کمال انقطاع (۵) توسط بین الکمالین

ایجاز، اطناب اور مساوات

انسان کے دل میں جو معانی چکر لگاتے ہیں ان کو تین طریقوں سے بیان کیا

جاسکتا ہے۔

﴿۱﴾ مساوات: مرادی معنی کو ایسی عبارت کے ساتھ ادا کرنا جو اس کے مساوی ہو مساوات کہلاتا ہے یعنی اس حد پر ہو جو درمیانے لوگوں کا عرف ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو نہ تو بلاغت کے درجہ تک پہنچتے ہیں نہ اس حد تک گرے ہوئے ہیں کہ بات کو سمجھنے سے عاجز ہوں۔

جیسے: وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ
اور جب ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیات میں کج بحثی کرتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لو۔

﴿۲﴾ ایجاز: عام لوگوں کے عرف سے ناقص عبارت کے ساتھ معنی کی ادائیگی کی جائے لیکن اس سے غرض بھی پوری ہوتی ہو۔

جیسے: قَفَا نَبِكِ مِنْ ذِكْرِي حَبِيبٍ وَمَنْزِلٍ
تم دونوں ٹھہر جاؤ ہم محبوب کی یاد اور منزل پر رو لیں۔
یہاں حَبِيبُنَا اور مَنْزِلُہ تھا تو ضمیروں کو ہٹا کر کلام کو مختصر کر دیا لیکن مقصود پورا ہو گیا۔ اور غرض پوری نہ ہو تو اسے اخلاص کہتے ہیں جیسے شاعر کا قول ہے۔

وَالْعَيْشُ خَيْرٌ فِي ظِلِّهِ لِ النُّوْكِ مِمَّنْ عَاشَ كَذَا
خوش حال زندگی جو نا سمجھی کے سایوں میں ہو اس مشقت کی زندگی سے بہتر ہو جو عقل کے سائے میں ہو۔

مطلب یہ کہ آرام کی زندگی چاہے حماقت کے سائے میں ہو اس زندگی سے بہتر ہے جو عقل کے سائے میں ہو لیکن اس میں رنج و الم ہو۔

﴿۳﴾ اطّاب: معنی کی ادائیگی ایسی عبارت سے کرنا جو اس سے زائد ہو لیکن فائدہ مند ہو جیسے:

اِنِّیْ وَهْنَ الْعَظْمِ مَنِیْ وَاشْتَغَلَ الرَّأْسُ شَیْئًا بے شک میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں۔ اور سر کے بال سفید ہو چکے ہیں یعنی میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔
یہاں اظہار مقصود کے لیے الفاظ بڑھائے گئے جسے شنیفہ وغیرہ اگر اس زائد عبارت کا کوئی فائدہ نہ ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر زیادتی متعین نہ ہو تو یہ تطویل ہے۔ اور اگر متعین ہو تو اسے حشو کہتے ہیں۔

تطویل کی مثال: وَالْفٰی قَوْلَهَا كَذَبًا وَمِنَا اس نے اس کی بات کو جھوٹ پایا۔
یہاں مین کے معنی وہی ہیں جو کذب کے ہیں لہذا یہ بے مقصد اضافہ ہے۔
حشو کی مثال: وَاعْلَمَ عِلْمَ الْیَوْمِ وَالْاَمْسِ قَبْلَهُ: میں آج کا علم بھی رکھتا ہوں اور گزشتہ کل کا بھی۔

تو یہاں اَمْسِ کا معنی گزشتہ کل ہے اس لیے قَبْلَهُ زائد ہے۔

دواعی:

یعنی وہ امور جو کلام میں ایجاز اور اطّاب وغیرہ کو چاہتے ہیں۔

ایجاز کا تقاضا کرنے والے (دواعی) درج ذیل امور ہیں۔

- (۱) یاد کرنے کی آسانی (۲) سمجھ کے قریب کرنا
- (۳) مقام کی سنجی (۴) کلام کے بعض حصے کو چھپانا

(۵) کلمہ کو گرتے گرتے حذف آ جاتا۔

ان امور کی وجہ سے کلام کو مختصر کیا جاتا ہے۔ یہی ایجاز ہے۔

اظناب کے دو اعلیٰ درجہ ذیل امور ہیں۔

(۱) معنی کو ثابت کرنا (۲) مراد کی وضاحت کرنا

(۳) تاکید (۴) ابہام کو دور کرنا۔

ان وجوہ کی بنیاد پر کلام کو لمبا کیا جاتا ہے۔ اور یہی اظناب ہے۔

اقسام ایجاز

(۱) ایجاز قصر (اختصار)

یا تو اس لیے ہوتا ہے کہ چھوٹی عبارت زیادہ معانی پر مشتمل ہو اور اہل بلاغت کی توجہ کا مرکز یہی صورت ہے اور اسی سے بلاغت میں ان کی قدریں مختلف ہوتی ہیں اسے ایجاز قصر کہتے ہیں۔

جیسے ارشاد خداوندی ہے: وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے (اس عبارت میں معانی کا ایک سمندر ہے مثلاً قصاص سے پورا معاشرہ قتل و غارت گری سے بچ جاتا ہے وغیرہ وغیرہ)

(۲) ایجاز حذف:

کبھی کلمہ یا جملہ یا اس سے زیادہ کلام کے حذف کی صورت میں ایجاز ہو اور محذوف کے تعین پر کوئی قرینہ بھی ہو تو اسے ایجاز حذف کہتے ہیں حذف کلمہ کی مثال۔ امرؤ القیس کے اس شعر میں ”لا“ کا حذف ہے۔

فَقُلْتُ يَمِينُ اللَّهِ ابْرَحْ قَاعِذَا

وَلَوْ قَطَعُوا رِاسِي لَذِيكَ وَأَوْ صَالِي

میں نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم میں میٹھا رہوں گے اگرچہ وہ میرے سر اور میرے جسم کے تمام جوڑوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔

یہاں "لا ابرح" کا "لا" حذف کیا گیا۔

حذف جملہ کی مثال: ارشاد خداوندی ہے۔

وَأِنْ يَكْذِبُواكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ

اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو تحقیق آپ سے پہلے رسولوں کو جھٹلایا گیا۔

یہاں "فَقَسَّاسٌ وَاضْبِرْ" محذوف ہے یعنی آپ ان کافروں سے مایوس ہو جائیے۔ اور صبر کیجئے۔

جملہ سے زائد حذف کی مثال: ارشاد خداوندی ہے

فَارْسِلُونِ يُونُسَ أَيُّهَا الصَّدِيقُ

یہاں معنوی اعتبار سے عبارت یوں ہے۔

أَرْسِلُونِي إِلَى يُونُسَ لَأَسْخِرَهُ الرُّؤْيَا فَفَعَلُوهُ فَاتَاهُ وَقَالَ لَهُ يَا

يُونُسَ

مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جانے کی اجازت دو تا کہ میں ان سے

خواب کی تعبیر معلوم کروں چنانچہ انہوں نے ایسا کیا تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس

آیا اور کہا اے یوسف! (علیہ السلام) (آخر تک)

نوٹ: یہاں ایک طویل عبارت محذوف ہے۔

اقسامِ اہتاب:

اہتاب کئی امور سے حاصل ہوتا ہے۔

(۱) عام کے بعد خاص کا ذکر: مثلاً کہا جائے۔

اجْتَهِدُوا فِيْ دُرُوْسِكُمْ وَاللُّغَةِ الْعَرَبِيَّةِ اِنِّىْ اَسْبَقُ بِالْخُصُوْصِ لَعْتِ عَرَبِيَّةٍ

میں خوب محنت کرو۔

اس کا قاعدہ اس خاص کی فضیلت سے آگاہ کرنا ہوتا ہے گویا وہ اپنی رفعت کی وجہ

سے اپنے ماقبل کا غیر ہے۔

(۲) خاص کے بعد عام کا ذکر: جیسے ارشاد خداوندی ہے

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَالْوَٰلِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيْ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ

وَالْمُؤْمِنَاتِ

اے میرے رب! مجھے اور میرے والدین کو اور ان لوگوں کو جو مومنین میرے گھر

میں داخل ہیں اور تمام مومن مردوں اور عورتوں کو بخش دے۔

یہاں پہلے خاص کا ذکر کر کے پھر عام مومن مردوں اور عورتوں کا ذکر کیا تاکہ

مخاطب کو خاص کی اہمیت سے آگاہ کیا جائے۔

(۳) ابہام کے بعد وضاحت: جیسے ارشاد خداوندی ہے

اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَبَيْنَیْنِ : اللہ تعالیٰ نے اسکی چیز کے

ساتھ تمہاری مدد کی جسے تم جانتے ہو اس نے جانوروں اور بیٹوں کے ذریعے تمہاری مدد کی۔

یہاں ”مَا تَعْلَمُوْنَ“ میں جوابات پوشیدہ تھی ”اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَبَيْنَیْنِ“

کے ذریعے اس کی وضاحت کی۔

(۳) توشیح: توشیح یہ ہے کہ کلام کے آخر میں تثنیہ لایا جائے جس کی تفسیر اور وضاحت دو کے ساتھ کی جائے۔ جیسے شاعر کا قول ہے۔

أَمْسَى وَأَصْبَحَ مِنْ يَذَّكَّرُكُمْ وَصَبَا

يَرْثِي لِي الْمُسْتَفْقَانِ الْإَهْلُ وَالْوَلَدُ

میری صبح اور شام تمہاری یاد اور عشق میں گزرتی ہے میرے دو مشفق یعنی بیوی اور بچے نوحہ خوانی کرتے ہیں۔

یہاں الْمُسْتَفْقَانِ تثنیہ کے بعد اہل اولاد کا ذکر کر کے ان دو مشفقوں کی وضاحت کر دی۔

(۵) کسی غرض کے لیے تکرار: جیسے شاعر کے قول میں طول فصل (طویل فاصلہ)

وَإِنْ أَمْرًا دَامَتْ مُوَاتِقُ عَهْدِهِ

عَلَى مِثْلِ هَذَا أَتَبَهُ لَكَرِيمُ

اگر کسی شخص کے عہد و پیمان ہمیشہ رہیں تو اس بنیاد پر کہا جائے گا کہ وہ شخص کریم ہے۔ یہاں اَمْرًا اور لَكَرِيمُ کے درمیان طویل فصل کی وجہ سے اندہ لا کرا گویا امرا کو تکرار کے ساتھ لایا گیا۔

اسی طرح معاف کرنے کی زیادہ ترغیب کے لیے تکرار کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ وَإِنْ تَعَفَّوْا

وَتَصَفَّحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

بے شک تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں پس ان سے بچو اور ان کو معاف کرو اور ان سے درگزر کرو اور بخش دو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے

والا مہربان ہے۔

یہاں معاف کرنے کی ترغیب کے لیے تکرار کے ساتھ معاف کرنے، درگزر کرنے اور بخش دینے کا ذکر ہوا۔

ڈرانے کی تاکید کے لیے کلام میں تکرار لایا جاتا ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے
كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ۔ ہرگز نہیں، عن قریب تم
جان لو گے پھر ہرگز نہیں عن قریب تم جان لو گے۔

(۶) اعتراض: یعنی کسی جملہ کے درمیان ایسے یاد و جملوں کے درمیان کوئی لفظ لانا جن
جملوں کا آپس میں معنوی ربط اور تعلق ہو اور اسکی وجہ کوئی غرض ہوتی ہے۔ جیسے:

إِنَّ الثَّمَانِينَ وَبُلَغَتْهَا

قَدْ أَخَوَجْتُ سَمْعِي إِلَى تَرْجُمَانٍ

اسی سال کی عمر نے (اللہ کرے تمہیں بھی یہ عمر نصیب ہو) میرے کان کو ترجمان
کا محتاج بنا دیا ہے۔

”وَبُلَغَتْهَا“ دعا کی غرض سے درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر لایا گیا۔
اسی طرح ارشاد خداوندی ہے۔

وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ سُبْحَانَهُ وَلَهُمْ مَا يَشْتَهُونَ

اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں قرار دیتے ہیں (حالانکہ وہ اس سے پاک ہے)
اور اپنے لیے جو چاہتے ہیں ٹھہراتے ہیں۔

یہاں سُبْحَانَهُ اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرنے کے لیے جملہ معترضہ ہے۔

(۷) ایغال: کلام کو ایسے لفظ یا جملہ پر ختم کرنا جو کسی غرض کا فائدہ دے جبکہ معنی اس کے
بغیر بھی مکمل ہو جاتا ہے جیسے معروف عرب شاعر خنساء کا یہ قول

وَأَنْ صَخْرًا لَقَاتُمْ الْهُدْلَةَ بِهِ

كَأَنَّهُ عَلِمَ فِي رَأْسِهِ نَارَ

بے شک تمام راہنما (میرے بھائی) صحر کی اقتدا کرتے ہیں گویا وہ ایک پیاز ہے جس کی پوٹی پر آگ جل رہی ہے۔

یہاں ”فِي رَأْسِهِ نَارَ“ مبالغہ کے لیے ہے ورنہ کا نہ علم کہنے سے شاعر کا مقصود پورا ہو جاتا ہے۔

(۸) تزییل: ایک جملہ کے بعد دوسرا جملہ لانا جو پہلے جملہ کے معنی پر مشتمل ہو اور اس سے تاکید مقصود ہوتی ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

(الف) دوسرا جملہ ضرب المثل کے قائم مقام ہو کیونکہ وہ اپنے معنی میں مستقل ہوتا ہے اور پہلے جملہ کا محتاج نہیں ہوتا۔ جیسے قرآن مجید ہے میں ہے۔

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

حق آیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل مٹنے والا ہے۔

یہاں ”إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا“ پہلے جملے کی تاکید ہے اور یہ خود مستقل معنی رکھتا ہے۔

(ب) دوسرا جملہ ضرب المثل کے قائم مقام نہ ہو کیونکہ وہ پہلے جملہ سے بے نیاز نہیں ہوتا۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے:

ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُوا وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ

ہم نے ان کو ان کے کفر کے سبب سے یہ بدلہ دیا اور ہم یہ بدلہ صرف کفار اور ناشکر لوگوں کو دیتے ہیں۔

یہاں ”هَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ“ پہلے جملے کی تاکید ہے لیکن معنوی اعتبار

سے اس سے بے نیاز نہیں ہے۔

(۹) احقر اس: کسی کلام میں مقصود کے خلاف وہم ہو تو ایسا لفظ لانا جو اس وہم کو دور کرے
احقر اس کہلاتا ہے جیسے۔

فَسَقَى دِيَارَكَ غَيْرَ مَفْسُدهَا

صَوَّبُ الزَّبِيحِ وَدِيمَةَ تَهْمِي

تمہارے علاقہ کو موسم بہار کی بارش اور موسلا دھار بارش سیراب کرے اور وہ نئی
قسم کی خرابی ظاہر نہ کرے۔

یہاں یہ وہم تھا کہ تیز بارش زمین کو خراب کر دے گا تو ”غیر مفسدھا“ کے
الفاظ سے اس وہم کو دور کر دیا۔

(۱۰) تکمیل: کلام میں ایسا زائد لفظ لایا جائے جس سے کلام کا حسن بڑھ جائے۔ جیسے
ارشاد خداوندی ہے

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ . اور وہ لوگ باوجود (کھانے کی) چاہت کے
(غریب و مساکین کو) کھانا کھلاتے ہیں۔

یعنی اس کے باوجود کہ وہ کھاتے کی چاہت رکھتے ہیں وہ دوسروں کو کھلاتے ہیں
یہ ان کے بہت بڑے کرم و سخاوت کی دلیل ہے۔

یہاں ”عَلَى حُبِّهِ“ زائد لفظ ہے

(خاتمہ) مقتضائے ظاہر کے خلاف کلام

جن قواعد کا پہلے ذکر ہو چکا ہے ان کے مطابق کلام کو مقتضائے ظاہر کے مطابق کلام کرنا کہتے ہیں۔ اور بعض اوقات حالات کا تقاضا ہوتا ہے کہ مقتضائے ظاہر کو چھوڑ دیا جائے اور اس کے خلاف مخصوص انواع میں کلام کو لایا جائے۔ اس کی درج ذیل صورتیں ہیں۔

(۱) عالم کو جاہل قرار دینا:

فائدہ خبر یا لازم فائدہ خبر کا علم رکھنے والے کو بے علم کے قائم مقام قرار دینا کیونکہ وہ اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا پس اس کو خبریوں دی جاتی جیسے بے علم کو خبر دیتے ہیں جیسے کوئی شخص اپنے باپ کو اذیت پہنچا رہا ہو تو کہا جاتا ہے۔ هَذَا ابْنُكَ۔ یہ تیرا باپ ہے۔ اسے معلوم ہے کہ وہ اس کا باپ ہے لیکن وہ اس کا احترام نہیں کرتا تو گویا وہ جانتا ہی نہیں کہ یہ اس کا باپ ہے۔

(۲) غیر منکر کو منکر کی جگہ اتارنا: (سمجھنا)

یہ اس وقت ہوتا ہے جب اس سے انکار کی علامات ظاہر ہوں جیسے۔

جَاءَ شَقِيقُ عَارِضًا وَمُحَدَّ

اِنْ بَنِیْ عَمِّكَ فِیْهِمْ رِمَاحُ

شقیق اس حالت میں آیا کہ اس نے تیر چوڑائی میں رکھا ہوا تھا (تو اس سے کہا گیا) بے شک تیرے چچا زاد بھائیوں کے پاس نیزے ہیں۔

یہ بات اسے معلوم ہے لیکن اس کی حالت سے واضح ہوتا ہے کہ اس کے خیال میں ان لوگوں کے پاس نیزے نہیں ہیں۔ اسی طرح کوئی شخص مانگنے والا ہو اور کشادگی کی بحال

سمجھتا ہو تو اس سے کہا جائے۔ اِنَّ الْفَرْخَ لَقَرِيْبٌ كَشَادُكِي قَرِيْبٍ ہے ان دونوں مثالوں میں اِنَّ لایا گیا جو تاکید کے لیے ہے اور تاکیدی کلام منکر کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ کبھی منکر اور شک کرنے والے کو خالی الذہن سمجھا جاتا ہے۔ یعنی جب اس کے پاس ایسے شواہد ہوں کہ جب وہ غور و فکر کرے تو اس کا انکار یا شک دور ہو سکتا ہے۔ جیسے ایک شخص طب (ڈاکٹری) کے فوائد کا انکار کرتا ہے یا اس میں شک کرتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے۔ اَلطَّبُّ نَافِعٌ طب نفع بخش ہے۔

چونکہ یہ شخص منکر یا شک کرنے والا ہے اس لیے ان کے ساتھ کلام لانا چاہیے تھا لیکن اسے غیر منکر قرار دے کر تاکید کے بغیر کلام لیا گیا۔

(۳) کسی غرض کے لیے مضارع کی جگہ ماضی کا صیغہ استعمال کرنا:

مثلاً یہ بتانا کہ مقصد ضرور حاصل ہوگا۔ ارشاد خداوندی ہے

اَتَى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کا حکم آگیا پس تم اس کی جلدی نہ کرو

۔ یہاں مضارع (يَا تَتِي) کی جگہ ماضی (اَتَى) کا صیغہ لایا گیا کیونکہ جس بات کا ذکر ہے وہ قطعی طور پر حاصل ہونے والی ہے۔

اسی طرح نیک فالی کے طور پر کہا جاتا ہے

اِنْ شِفاكَ اللّٰهُ الْيَوْمَ تَذْهَبُ مَعِيَ غَدًا اگر اللّٰہ تعالیٰ تجھے آج شفا دے

تو کل میرے ساتھ چلنا یہاں يَشْفِيْكَ مضارع کی بجائے ماضی کا صیغہ شفا کا استعمال ہوا تاکہ اچھی فال لی جائے کہ واقعہ سے شفا حاصل ہوگئی۔

کبھی ماضی کہ جگہ مضارع کا صیغہ استعمال کرتے ہیں۔ اور اس کی کوئی وجہ

غرض ہوتی ہے مثلاً خیال میں کسی عجیب و غریب صورت کو حاضر کرنا جیسے ارشاد خداوندی

وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ فَتُثِيرُ مَحَابِلًا. اور وہی ذات ہے جس نے
ہواؤں کو بھیجا پس وہ بادلوں کو اٹھلاتی ہیں۔

یہاں ”اَثَارَتْ“ ماضی کی جگہ (تُثِيرُ) مضارع کا صیغہ لایا گیا یا اس سے زمانہ
ماضی میں اس عمل کا استمرار اور جاری رہنے کا فائدہ پہنچانا ہوتا ہے۔ جیسے ارشاد خداوندی
ہے۔

لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعِتَّمُ الْوَلَدُ لَكُمْ تَبَارَكَ اللَّهُ تَعَالَىٰ اکر رسول ﷺ تمہاری اکثر باتیں مان لیا
کریں تو تم مشقت میں پڑ جاتے۔

یعنی اگر آپ تمہاری باتیں مانتے رہتے۔ تو اس استمرار کے لیے اطاع (ماضی)
کی جگہ يُطِيعُ مضارع کا صیغہ لایا گیا۔

(۴) جملہ انشائیہ کی جگہ خبریہ لانا:

(الف) یا تو کوئی غرض ہوتی ہے جیسے

هَذَاكَ اللَّهُ لِصَالِحِ الْأَعْمَالِ. اللہ تعالیٰ تجھے نیک اعمال کی راہ دکھائے
یہاں دعا کی وجہ سے جملہ خبریہ لایا گیا اور ماضی کا صیغہ لا کر ہدایت کے لیے نیک شگون ظاہر
کیا گیا۔

(ب) یا رغبت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ جیسے: رَزَقَنِي اللَّهُ لِقَاءَكَ

اللہ تعالیٰ مجھے تمہاری ملاقات کا شرف بخشے۔ یہاں بھی جملہ خبریہ لایا گیا حالانکہ
دعا ہے جو جملہ انشائیہ کی صورت ہے۔

(ج) یا ادب کی خاطر امر کی صورت سے بچنا ہوتا ہے جیسے کہا جائے۔

يَنْظُرُ مَوْلَايَ فِي أَمْرِي. میرے آقا میرے معاملے میں غور فرمائیں گے۔

نَالِ أَنْظُرُ امر کا صیغہ نہیں کہاتا کہ بے ادبی نہ ہو۔

کبھی جملہ خبریہ کی جگہ جملہ انشائیہ لایا جاتا ہے اور اس میں کوئی غرض ہوتی ہے۔
مثلاً کسی چیز پر خاص نظر رکھنا جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ آتِ
فرمادیجئے میرے رب نے انصاف کا حکم دیا اور ہر نماز کے وقت اپنے چہروں کو (قبلہ کی
طرف) سیدھا رکھو

نماز کی اہمیت کی وجہ سے بِالْقِسْطِ پر عطف کرتے ہوئے بِالْاِقَامَةِ نہیں
فرمایا بلکہ امر کا صیغہ اَقِيمُوا فرمایا۔

دوسرے (یعنی لاحق) کلام کو پہلے کلام کی برابری سے برائیت کا اظہار کرنے کے
لیے جملہ خبریہ کی جگہ جملہ انشائیہ لایا جاتا ہے مثلاً قرآن مجید میں ہے۔

قَالَ اِنِّیْ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اَشْهَدُوْا اِنِّیْ بَرِیْءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ کہا میں اللہ
تعالیٰ کو گواہ ٹھہراتا ہوں تم بھی گواہ ہو جاؤ کہ بے شک میں ان تمام چیزوں سے بیزار ہوں
جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو۔

پہلے جملے میں اللہ تعالیٰ کی شہادت ہے اور دوسرے میں لوگوں کی شہادت کا ذکر
ہے اس لیے پہلے جملہ میں خبر ہے یعنی اُشْهِدُ فرمایا اور دوسرے میں وَاَشْهَدُوْا امر کا صیغہ
ہے یعنی یہ جملہ انشائیہ ہے لوگوں کی شہادت کو اللہ تعالیٰ کی شہادت کی برابری سے بچانے
کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا۔

برابری ظاہر کرنے کے لیے بھی یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے جیسے ارشاد خداوندی
ہے۔

اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَلَ مِنْكُمْ تَمَّ خَوْشٰی سے خرچ کرو یا ناراضگی
بے برگز تم سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

یہاں اَنفَقْتُمْ کی جگہ اَنفِقُوا فرما کر بتایا کہ ان کا خرچ دونوں صورتوں میں برابر ہے کہ قبول نہیں ہوگا۔

(۵) اسم ظاہر کی جگہ ضمیر لانا: اس سلسلے میں یا تو کوئی غرض ہوتی ہے مثلاً یہ دعویٰ کرنا کہ ضمیر کا مرجع متکلم کے ذہن میں ہمیشہ حاصر ہے جیسے شاعر کا قول ہے۔

أَبَتْ الْوِضَالَ مَخَافَةَ الرُّقْبَاءِ

وَأَتَتْكَ تَحْتَ مَذَارِعِ الظُّلَمَاءِ

محبوبہ نے رقیبوں کے ڈر سے ملنے سے انکار کر دیا حالانکہ وہ تمہارے پاس رات کی تاریکی میں پردوں کی آڑ میں آتی ہے۔

یہاں أَبَتْ اور أَتَتْ کی ضمیروں کا مرجع پہلے مذکور نہیں ہے اس لیے اسم ظاہر لانا چاہیے تھا لیکن شاعر یہ بتانے کے لیے کہ وہ ہمیشہ کے لیے ذہن میں ہے ضمیر لایا۔ یا اسم ظاہر کی جگہ ضمیر لانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ضمیر کے بعد والی بات کو سامع کے ذہن میں اتارا جائے تاکہ اسے شروع ہی سے شوق پیدا ہو۔ جیسے۔

(الف) هِيَ النَّفْسُ مَا حَمَلَتْهَا تَحْمَلُ - یہ وہ نفس ہے کہ تم اس سے جو کچھ اٹھواؤ گے اٹھائے گا۔

(ب) هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ - وہ اللہ ایک ہے۔

(ج) نِعْمَ تَلْمِذُ الْمُؤَذِّبِ - بہترین شاگرد وہ ہے جو باادب ہو۔

کبھی ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا جاتا ہے۔ اس کا مقصد بھی کوئی غرض ہوتی ہے مثلاً حکم پر عمل کرنے کے داعی کی تقویت جیسے کئی شخص اپنے غلام سے کہے۔

سَيِّدُكَ يَا مُرُكَّ بَكْدَا - تمہارا سردار تمہیں فلاں بات کا حکم دیتا ہے۔

یہاں ”أَنَا أَمْرُكَ“ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ جگہ سَيِّدُكَ كَالْفَتَا لایا گیا تاکہ

اسے معلوم ہوا کہ مجھے حکم دینے والا میرا آقا ہے۔

(۶) التفات : کلام کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل کرنا۔ مثلاً تکلم خطاب یا غیبت کی حال سے کسی دوسری حالت کی طرف تکلم سے خطاب کی طرف انتقال کی مثال۔

وَمَا لِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ اور مجھے کیا ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔
یہاں اَرْجِعُ میں لوٹایا جاؤں گا۔ متکلم کا صیغہ لانے کی بجائے تُرْجَعُونَ مخاطب کا صیغہ لایا گیا۔

متکلم سے غیبت کی طرف انتقال کی مثال
إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ بے شک ہم نے آپ کو کثرت (یا کوثر) عطا کی پس آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں۔
یہاں إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ متکلم کی ضمیر اور آگے فَصَلِّ لَنَا (متکلم) کی جگہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ فرمایا۔

خطاب سے تکلم کی طرف انتقال کی مثال:

أَتَطْلُبُ وَصَلَ رَبَّاتِ الْجَمَالِ

وَقَدْ سَقَطَ الْمَشِيبُ عَلَى قَدَّالِي

کیا تم جہاں والی لڑکیوں کے وصال کے خواہشمند ہو حالانکہ سفیدی میرے گردن پر لٹک چکی ہے۔

تَطْلُبُ میں خطاب ہے اور قَدْ عَلِي میں تکلم ہے حالانکہ عَلِي قَدْ إِلَيْكَ ہو

بچا ہے تھا۔

(۷) تجاہل عارفانہ: کسی غرض کے لیے معلوم بات کو نامعلوم قرار دینا۔ مثلاً

أَيَا شَجَرِ الْخَابُورِ مَا لَكَ مُورِقًا

کناک لِمَ تَجْزَعُ عَلَيَّ ابْنِ طَرِيفٍ

اے وادیِ خابور کے درخت تم کیوں ہرے بھرے نظر آتے ہو گویا تم ابن طریف کی وجہ سے پریشان نہیں ہو۔

شاعرہ لیلیٰ بنت طریف کو معلوم ہے کہ پریشانی وغیرہ کا تعلق ارباب عقول سے ہوتا ہے اور درخت سے یہ مطالبہ کرنا فضول ہے لیکن اس کا یہ شعر تجاہل عارفانہ کے طور پر ہے گویا وہ جانتے ہوئے بھی یہ بات نہیں جانتی۔

(۸) اسلوبِ الحکیم: مخاطب سے یوں ملنا اور گفتگو کرنا جس کی مخاطب کو پہلے سے امید نہ تھی یا پوچھنے والے کو وہ بات کہنا جس کا وہ طالب نہ ہو اس کا مقصد اس بات سے آگاہ کرنا ہوتا ہے کہ اس بات کا قصد کرنا زیادہ بہتر تھا جو میں کعبہ میں رہا ہوں۔

پہلی صورت اس طرح ہوتی ہے کہ کلام کو قائل کی مراد کے خلاف معنی پر محمول کیا جائے جس طرح قبضری کا حجاج سے کہنا۔ مِثْلُكَ الْاَمِيرُ يَحْمِلُ عَلَى الْاَذْمِ وَالْاَشْتِهَابِ

آپ جیسے امیر (مہربان امیر) سیاہ گھوڑے اور سرخی مائل سفید گھوڑے پر سوار کراتے ہیں۔ حالانکہ حجاج نے جب قبضری سے کہا کہ لَا حَمْلَ لَكَ عَلَى الْاَذْمِ میں تجھے اذم (سیاہ) پر سوار کروں گا تو اس نے اذم سے سیاہ بیڑی مراد لی تھی تو مخاطب قبضری نے وہ مفہوم مراد نہ لیا جو اس کلام کے قائل حجاج کا مقصد تھا بلکہ سیاہ گھوڑا مراد لیا۔ حجاج نے جواب میں کہا میں نے لوہا مراد لیا ہے۔ قبضری نے جواب میں کہا۔

لَا يَكُونُ حَدِيدًا خَيْرَ مِنْ اَنْ يَكُونُ بَلِيدًا

اس سیاہ گھوڑا کا تیز (حدید) ہونا اس کے ست رفتار (بلید) ہونے سے بہتر

ہے۔

تو حجاج نے لوہا مراد لیا جب کہ قبجری نے اس سے تیز گھوڑا مراد لیا۔

دوسری صورت اس طرح ہوتی ہے کہ سائل کے سوال کو کسی دوسرے سوال کی

جگہ اتارا جائے جو سائل کے حال کے مناسب ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَهْلِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ

وہ لوگ آپ سے نئے چاندوں کے بارے میں پوچھتے ہیں تو فرمادیجئے کہ یہ

لوگوں کے لیے اور حج کے لیے وقت بتاتے ہیں۔

قرآن مجید کی یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب بعض صحابہ نے نبی اکرم ﷺ

سے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ چاند بار یک ظاہر ہوتا ہے پھر بڑھتا ہے حتیٰ کہ چودہویں رات

کا چاند ہو جاتا ہے پھر گھٹتا ہے حتیٰ کہ شروع والی حالت پر ہو جاتا ہے۔

تو اس کا جواب اس حکمت کے حوالے سے دیا گیا جو اس گھٹنے بڑھنے پر مرتب

ہوتی ہے یعنی اس سے اوقات کا پتہ چلتا ہے تو ان کے سوال کو جو چاند کے مختلف ہونے کے

بارے میں تھا یوں قرار دیا کہ گویا وہ اس کی حکمت پوچھ رہے ہیں اور اسی کے مطابق جواب

دیا گیا۔

(۹) تغلیب: دو چیزوں میں سے ایک کو دوسرے پر غالب قرار دینے کے لیے وہ لفظ

استعمال کرنا جو اس غالب سے متعلق ہے۔

جیسے مذکر کا صیغہ بول کبر مرد اور عورت دونوں مراد لیے جائیں یہ مذکر کے غالب

ہونے کے طرف اشارہ ہے مثلاً ارشاد خداوندی ہے

وَكَاثُ مِنَ الْقَانِثِينَ. اور وہ (حضرت مریم) قَانِثِينَ میں سے تھیں حالانکہ قَانِثِينَ مذکر کا صیغہ ہے گویا مذکر کو مونث پر غالب رکھا گیا۔

اسی طرح باپ اور ماں کے لیے ”آہوان“ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں باپ کو ماں پر ترجیح دی گئی۔

یوں ہی مذکر کو مونث پر غالب قرار دیتے ہوئے سورج اور چاند کے لیے القمرین کا لفظ استعمال کرتے ہیں شمس (سورج) مونث ہے۔ اور قمر (چاند) مذکر ہے۔

ثقیل لفظ پر زیادہ خفیف لفظ کو غالب کیا جاتا ہے۔ مثلاً ابو بکر اور عمر کہنے کی بجائے عمرین کہتے ہیں کیونکہ لفظ عمر خفیف اور لفظ ابو بکر ثقیل ہے۔

بعض اوقات مخاطب کو غیر مخاطب پر غالب قرار دیتے ہوئے اسے خطاب کیا جاتا ہے۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

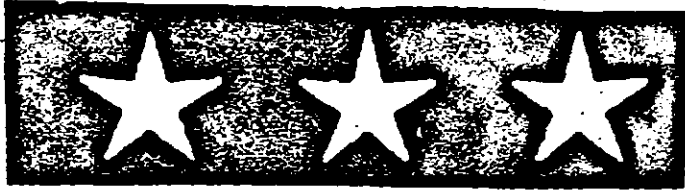
لَنُخْرِجَنَّكَ يَشُعِبُ وَالذِّينِ اٰمَنُوا مَعَكَ مِنْ قُرَيْشًا اَوْ لَتَعُوذَنَّ فِيْ

مِلَّتِنَا

(کفار نے کہا) اے شعیب! ہم آپ کو اور آپ کے مومن ساتھیوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا تم لوگ ہمارے دین میں لوٹ آؤ۔ حالانکہ حضرت شعیب علیہ السلام کبھی ان کے دین میں نہیں رہے کہ ان کو واپسی کے لیے کہا جائے لیکن چونکہ آپ کو باقی لوگوں پر بطور نبی غالب قرار دیا گیا اس لئے آپ سے یہ بات کہی گئی ورنہ واپس کفر میں لوٹنا آپ سے متعلق نہیں۔ (۱)

(۱) نوٹ: حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمہ اللہ نے یہاں یوں ترجمہ کیا کہ ”ہمارے دین میں آ جاؤ“ واپس آ جاؤ والا ترجمہ نہیں کیا اس لیے آپ کے اس ترجمہ کے مطابق کسی قسم کی خرابی لازم نہیں آتی اور نہ تاویل کی ضرورت پڑتی ہے۔ (۲۱ ہزاروی)

عقل کو غیر عقل پر غالب قرار دیتے ہوئے وہ صیغہ استعمال کیا جاتا ہے جو ذوی
 العقول کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ یہاں اَلْعَالَمِیْنَ
 میں ذوی العقول اور غیر ذوی العقول سب شامل ہیں لیکن ذوی العقول کو غالب قرار دیتے
 ہوئے یاء اور نون کے ساتھ جمع کا صیغہ لایا گیا۔



علم بیان

علم بیان اس علم کو کہتے ہیں جس میں تین باتیں بیان ہوتی ہیں۔

(۱) تشبیہ (۲) مجاز (۳) کنایہ

تشبیہ: ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ کسی وصف میں کسی حرف کے ذریعے کسی غرض کے لیے ملانا تشبیہ ہے۔

پہلی چیز کو مشبہ دوسری کو مشبہ بہ وصف کو وجہ الشبہ اور جس حرف کے ذریعے تشبیہ دیتے ہیں اسے اداة التشبیہ یا حرف تشبیہ کہتے ہیں۔ مثلاً

الْعِلْمُ كَالنُّورِ فِي الْهِدَايَةِ. علم ہدایت میں نور کی طرح ہے۔ یہاں علم مشبہ نور مشبہ بہ الْهِدَايَةِ وجہ شبہ اور كَاف حرف تشبیہ ہے۔
تشبیہ کے ساتھ تین بحثیں متعلق ہوتی ہیں۔

پہلی بحث (ارکان تشبیہ)

تشبیہ کے ارکان چار ہیں۔

(۱) مشبہ (۲) مشبہ بہ (ان دونوں کو تشبیہ کے دو کنارے کہتے ہیں) (۳) وجہ شبہ (۴) اداة تشبیہ (حرف)

تشبیہ: طرفین کے اعتبار سے تشبیہ کی چار اقسام ہیں۔

(۱) مشبہ اور مشبہ بہ دونوں حسی ہوں: جیسے

الْوَرَقُ كَالْحَرِيرِ فِي النُّعُومَةِ. کاغذ ملائم ہونے میں ریشم کی طرح ہے کاغذ اور ریشم دونوں حسی (محسوس ہونے والی) چیزیں ہیں۔

(۲) دونوں عقلی ہوں :- جیسے

الْجَهْلُ كَالْمَوْتِ جہالت موت کی طرح ہے

یہاں جہالت اور موت دونوں کا تعلق عقل سے ہے خارج میں نظر آنے والی چیزیں نہیں ہیں۔

(۳) دونوں مختلف ہوں: مثلاً مشبہ عقلی اور مشبہ بہ حسی ہو جیسے۔

خُلِقَ كَالْعَطْرِ اس کے اخلاق عطر کی طرح ہیں۔ خلق عقلی اور عطر حسی ہے۔

(۴) دونوں مختلف ہوں: یعنی مشبہ حسی اور مشبہ بہ عقلی ہو جیسے۔

الْعَطْرُ كَخُلُقِي رَجُلٍ كَرِيمٍ عطر شریف آدمی کے اخلاق کی طرح ہے تو عطر (مشبہ) حسی ہے اور خلق (مشبہ بہ) عقلی ہے۔

وجہ شبہ: وہ خاص وصف ہے جس میں دونوں طرفوں (مشبہ اور مشبہ بہ) کے اشتراک کا قصد کیا گیا ہے جیسے علم اور نور میں ہدایت وجہ شبہ ہے۔

اداة تشبیہ: یہ وہ لفظ ہے جو تشبیہ کے معنی پر دلالت کرتا ہے جیسے کاف کَانَ اور جوان دونوں کے معنی میں ہو کاف کے بعد مشبہ بآتا ہے جبکہ کَانَ کے بعد مشبہ آتا ہے جیسے۔

كَانَ الشَّرِيًّا رَاحَةً تَشْبِيرُ الدُّجَى

لَتَنْظُرَ طَالَ اللَّيْلُ أَمْ وَقَدْ تَعَرَّضَا

شَرِيًّا (ستارہ) گویا ہاتھ کی ہتھیلی ہے کہ رات کی تاریکی کو ناپتی ہے تاکہ دیکھے کہ

رات لمبی ہو گئی ہے یا بڑھ گئی ہے۔ یہاں شَرِيًّا مشبہ ہے اور رَاحَةً مشبہ بہ ہے۔

نوٹ: لفظ کَانَ تشبیہ کا فائدہ دیتا ہے جب اس کی خبر اسم جامد ہو اور شک کا فائدہ دیتا ہے

جب اس کی خبر مشتق ہو۔ جیسے "كَانَكَ فَهَام" گویا تو سمجھدار ہے۔ یہ شک کی مثال ہے۔

اور فہم اسم مشتق ہے

کبھی ایسا فعل ذکر کیا جاتا ہے جو تشبیہ کی خبر دیتا ہے (یعنی تشبیہ کا مفہوم ظاہر کرتا ہے۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ حَبِطْتُمْ لَوْلَا مَثُورًا جب تم ان (جنتی لڑکوں) کو دیکھو گے تو ان کو بکھرے ہوئے چمکدار موتی سمجھو گے۔

یہاں حسبت فعل تشبیہ کا معنی ظاہر کرتا ہے۔

تشبیہ بلیغ

جب حرف تشبیہ اور وجہ تشبیہ محذوف ہو تو اسے تشبیہ بلیغ کہا جاتا ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا اور ہم نے رات کو لباس بنایا۔

یعنی ستر اور پردے میں لباس کی طرح بنایا یہاں رات کو لباس سے تشبیہ دی لیکن کاف حرف تشبیہ اور وجہ تشبیہ یعنی ستر دونوں کو حذف کیا گیا۔

دوسری بحث اقسام تشبیہ

دونوں طرفوں (مشبہ اور مشبہ بہ) کے اعتبار سے تشبیہ کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) مفرد کی مفرد سے تشبیہ۔ جیسے

هَذَا الشَّيْءُ كَالْمَنْسُكِ فِي الرِّائِحَةِ یہ چیز خوشبو میں کستوری کی طرح

ہے۔

(۲) مرکب کی مرکب سے تشبیہ۔

یعنی مشبہ اور مشبہ بہ دونوں کو متعدد امور سے کوئی شکل حاصل ہو۔ (یعنی دونوں

مرکب ہوں) جیسے

كَأَنَّ مُنَازَ النِّفْعِ فَوْقَ رُؤُسِنَا

وَأَسْنِيفِنَا لَيْلٌ تَهَاوَى كَوَاكِبُهُ

گویا تیز رفتار گھوڑوں کے پاؤں سے اڑی ہوئی گرد ہمارے سروں اور ہماری
تلواروں پر ایک رات ہے جس کے ستارے ٹوٹ رہے ہوں۔

غبار کی ہیئت اور اس میں تلواروں کا ادھر ادھر چلنا یہ مشبہ مرکب ہے اور رات کی
تاریکی اور اس میں ستاروں کا ٹوٹنا یہ مشبہ بہ مرکب ہے۔

(۳) مفرد کی مرکب سے تشبیہ۔ جیسے شقیق () کی تشبیہ

یا قوتی جھنڈوں سے جوز برجدی نیزوں پر پھیلانے گئے ہیں۔

مشبہ صرف شقیق ہے اور اور مشبہ بہ مرکب ہے اور وہ یا قوتی جھنڈے اور زبرجدی
نیزے وغیرہ ہیں۔

(۴) مرکب کو مفرد سے تشبیہ دینا: جیسے شاعر کا قول ہے۔

يَا صَاحِبِيْ نَقْصِيْاً نَّظَرِيْكُمْ

تَرَيَا وَجُوْةَ الْاَرْضِ كَيْفَ تَمُورُ

ترجمہ: اے میرے دونوں ساتھیو! غور سے دیکھو تو تم زمین کو دیکھو گے کہ کسی طرح وہ

اپنی صورت بدلتی ہے اس دھوپ والے دن میں جب اونچی جگہوں کے پھول مخلوط ہو گئے
گویا وہ چاندنی رات ہے۔

اس میں روشن دن کو جونیوں کے پودوں سے مخلوط ہے چاندنی رات کے ساتھ
تشبیہ دی گئی وہاں مشبہ یعنی روشن دن جو پودوں سے مخلوط ہے مشبہ مرکب ہے اور چاندنی
رات مشبہ بہ مفرد ہے۔

ایک اور تقسیم

دونوں طرف کے اعتبار سے تشبیہ کی یہ دو قسمیں بھی بنتی ہیں۔

(۱) تشبیہ ملخوف: کلام میں دو یا اس سے زیادہ مشبہ لائے جائیں پھر مشبہ بہ لایا جائے۔ جیسے۔

كَأَنَّ لُحُوبَ الطَّيْرِ رَطْبًا وَبَابِنَا

لَدَى وَكُفْرَهَا الْغُثَّاءُ وَالْحَشْفُ الْبَالِي

ترجمہ: گویا پرندوں کے تازہ اور خشک دل شرے کے گھونسلے کے پاس عتاب (پھل) اور ردی کجور کی طرح ہیں۔

اس میں پرندے کے تازہ کلیجے کو عتاب سے اور خشک کو پرانی ردی کجوروں سے

تشبیہ دی گویا پہلے دونوں مشبہ ذکر کیے اور پھر دونوں مشبہ بہ۔

(۲) تشبیہ مفروق: پہلے ایک مشبہ اور مشبہ بہ کو لایا جائے پھر دوسرے مشبہ اور مشبہ بہ کو لایا جائے۔ جیسے

النَّشْرُ مَسْنَكٌ وَالْوُجُوهُ ذَنَا

نَيْزٌ وَأَطْرَافُ الْأَكْفِ عَنَمٌ

اُن عورتوں کی خوشبو کستوری کی طرح چہرے دیناروں جیسے اور انگلیوں کے سرے

عنم درخت (کے پھول کی) طرح سرخ ہیں۔

یہاں النَّشْرُ مشبہ، مَسْنَكٌ مشبہ بہ، الْوُجُوهُ مشبہ اور ذَنَا نَيْزٌ مشبہ بہ اور

اطراف مشبہ اور عَنَمٌ مشبہ بہ ہے۔ مشبہ اور مشبہ بہ کو اکٹھا ذکر کیا پھر اسی طرح مزید مشبہ

اور مشبہ بہ کا ذکر اکٹھا ہے۔

نوٹ: اگر مشبہ متعدد ہوں اور مشبہ بہ متعدد نہ ہوں تو اسے تشبیہ تسویہ کہتے ہیں۔ جیسے شاعر کا قول ہے

ضدغ الحبيب وحالي كلاهما كما للثيالي

محبوب کی کینٹی اور میرا حال (سپاہ ہونے میں) دونوں راتوں کی طرح ہیں۔
یہاں مشبہ دو ہیں (۱) ضدغ الحبيب اور (۲) خالی اور مشبہ بہ ایک ہے
یعنی الثیالی اور اگر مشبہ بہ متعدد ہوں لیکن مشبہ متعدد نہ ہو تو اسے تشبیہ جمع کہتے ہیں۔
جیسے شاعر کا قول ہے

كأنا مائتيم عن أولو

منضد أو بررد أو أقاح

گو یا وہ ایسے شفاف موتیوں کے ساتھ ہستی ہے جو تہ بہ تہ ملے ہوئے ہیں یا اولوں
یا گل بابونہ سے مسکراتی ہے۔

یہاں مشبہ محذوف ایک ہے اور وہ محبوبہ کے دانت ہیں جب کہ مشبہ بہ متعدد
ہیں یعنی موتی 'اولے اور گل بابونہ۔

وجہ تشبیہ کے اعتبار سے تقسیم

وجہ تشبیہ کے اعتبار سے تشبیہ کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) تمثیل (۲) غیر تمثیل

تمثیل: وہ تشبیہ جس میں وجہ شبہ متعدد سے لی گئی ہو۔ جیسے ثریا (ستارے کی تشبیہ چمکتے ہوئے

انگور کے پچھے کے ساتھ اس میں ایک سے زائد انگور ہیں)

غیر تمثیل: جو اس طرح نہ ہو (یعنی وجہ شبہ متعدد سے نہ ہو) جیسے ستارے کو درہم سے تشبیہ

دینا۔

نوٹ: اس اعتبار سے تشبیہ کی حرید دو قسمیں ہیں۔

(۱) مفصل (۲) مجمل

تشبیہ مفصل: وہ ہے جس میں وجہ تشبیہ مذکور ہو جیسے۔

وَقَفْرَةٌ فِيْ صَفَاءٍ وَادْمُعِيْ كَاللَّالِي

اس کے سامنے کے دانت اور میرے آنسو صفائی میں موتیوں کی طرح ہیں۔

تشبیہ مجمل: وہ تشبیہ ہے جس میں وجہ تشبیہ مذکور نہ ہو۔

جیسے: الْخَوْفُ فِي الْكَلَامِ كَالْمَلْحِ فِي الطَّعَامِ

کلام میں غواں طرح ہے جس طرح کھانے میں نمک ہو۔

یہاں وجہ تشبیہ بیان نہیں ہوئی اور وہ لذت یز ہوتا ہے۔

حرف تشبیہ کے اعتبار سے تقسیم

حرف تشبیہ کے اعتبار سے تشبیہ کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) تشبیہ مؤکد (۲) تشبیہ مرسل

تشبیہ مؤکد: وہ ہے جس میں حرف تشبیہ محذوف ہو۔ جیسے

هُوَ بَخْرٌ فِي الْخَوْدِ وَهَاتَاتٍ فِي دَرِيَا كِي طَرَحَ

یہاں "كَالْبَحْرِ" کا کاف حرف تشبیہ محذوف ہے۔

تشبیہ مرسل: وہ تشبیہ ہے جس میں حرف تشبیہ مذکور ہو۔ جیسے

هُوَ كَالْبَحْرِ كَرْمًا وَهَاتَاتٍ فِي دَرِيَا كِي طَرَحَ

مذکور ہے۔

نوٹ: جس تشبیہ میں مشبہ بہ کی مشبہ کی طرف اضافت ہو وہ بھی تشبیہ موکدہ ہے جیسے۔

وَالرَّيْحُ تَغْبُثُ بِالْفُصُونِ وَقَدْ جَرَى

ذَهَبُ الْأَصِيلِ عَلَى لُجَيْنِ الْمَاءِ

تیز ہوا ٹہنیوں کے ساتھ کھیلتی ہے ایسی حالت میں کہ شام کا سونا (زرد رنگ) پانی کی چاندی یعنی سفیدی پر پڑا۔

یہاں لُجَيْنِ الْمَاءِ میں مشبہ بہ لُجَيْنِ کی اضافت الْمَاءِ کی طرف ہے جو مشبہ ہے اور حرف تشبیہ محذوف ہے۔ (لجین چاندی کو کہتے ہیں)

تشبیہ کی اغراض

تشبیہ کی درج ذیل اغراض ہیں

(۱) امکان مشبہ کا بیان (۲) حال مشبہ کا بیان (۳) مشبہ کی مقدار حال کا بیان

(۴) حال مشبہ کی تقریر کا بیان (۵) ترتین مشبہ (۵) کسب مشبہ

(۱) تشبیہ سے کبھی امکان مشبہ کا بیان مقصود ہوتا ہے جیسے۔

فَإِنْ تَفْقِ الْأَنَامَ وَأَنْتَ مِنْهُمْ

فَإِنَّ الْمِسْكَ بَغَضُ دَمِ الْغَزَالِ

اگر آپ مخلوق سے بڑھ جائیں (تو کیا حرج ہے) آپ ان ہی میں سے ہیں

کیوں کہ کستوری ہرن کے خون کا بعض حصہ ہے۔

جب شاعر حقیقی نے دعویٰ کیا کہ اس کا مدوح سیف الدولہ چند خصوصیات کی وجہ

سے دوسروں سے جدا ہے جو خصوصیات اسے الگ حقیقت ثابت کر رہی ہیں تو اسے اپنے

دعویٰ کا ممکن ہونا ثابت کرنے کے لیے کستوری سے تشبیہ دینا پڑی جس کی اصل ہرن کا خون

(۲) تشبیہ کی دوسری غرض کا حال بیان کرنا ہے۔ جیسے شاعر کا قول ہے

كَمَانِكَ شَمْسٌ وَالْمُلُوكُ كَوَاجِبُ

اِذَا طَلَعَتْ لَمْ يَبْدُ مِنْهُمْ كَوَاجِبُ

گویا تم سورج ہو اور دوسرے بادشاہ ستارے ہیں جب تم نکلتے ہو تو ان میں سے کوئی ستارہ ظاہر نہیں ہوتا۔

اس میں ممدوح کو سورج سے اور دوسرے بادشاہوں کو ستاروں سے تشبیہ دے کر اپنے ممدوح کا مقام بیان کیا۔

(۳) تشبیہ کی تیسری غرض مشبہ حال مشبہ کی مقدار بیان کرنا ہوتا ہے جیسے

فِيهَا اَنْثَىٰ وَارْتَعُونْ حَلْوَنَ

مَوْذَا كَحَافِيَةِ الْغُرَابِ الْاَسْحَمِ

اس خاندان میں بیالیس دودھ دینے والی کالے رنگ کی اونٹنیاں ہیں جو کالے کوئے کے پر کی مثل ہیں۔

یہاں اونٹیوں کی سیاہی کی مقدار بیان کرنے کے لیے کالے کوئے کے پر سے تشبیہ دی۔

(۴) تشبیہ کی چوتھی غرض حال مشبہ کی تقریر ہے۔ جیسے

اِنَّ الْقُلُوبَ اِذَا تَنَافَرُوْهُنَّ

مِثْلُ الرُّجَا حَاجَةٍ كَسَرَهَا لَا يُجْبَرُ

جب دلوں کی محبت نفرت میں بدل جائے تو وہ شمشے کی مثل ہیں جو ٹوٹا ہوا جواز

نہیں جاتا

دلوں کی نفرت کو شمشے کے ٹوٹنے سے تشبیہ دی اور اس بات کو ثابت کیا کہ پہلے جو

محبت تھی دل کی اس حالت کا لوٹنا مشکل ہے۔

(۵) - تشبیہ کی پانچویں غرض تزیین مشبہ ہے (زینت دینا) جیسے

سَوْدَاءُ وَاضِحَةُ الْجَبِينِ كَمُقَلَّةِ الطَّبِي الْغَرِيرِ

وہ سیاہ ہے روشن پیشانی والی ہے اس کی آنکھ پیاری ہرن کی طرح ہے۔

محبوبہ کی سیاہی کو ہرن کی آنکھ کی سیاہی سے تشبیہ دی تاکہ اس کا حسن بہت

کرے۔

(۶) تشبیہ کی چھٹی غرض مشبہ کی تصحیح ہے (برائی ظاہر کرنا ہے) جیسے

وَإِذَا أَشَارَ مُحَدَّثًا فَكُنْ

قِرْدٌ يُقَهِّقُهُ أَوْ عَجُوزٌ تَلْطُمُ

اور جب وہ بات کرتے ہوئے اشارہ کرتا ہے تو گویا وہ بندر ہے جو تھکے ٹکا رہا ہے

یا بڑھیا ہے جو اپنے رخساروں پر طمانچہ مار رہی ہے۔

تشبیہ مقلوب

کبھی غرض مشبہ بہ کی طرف لوٹتی ہے جب تشبیہ کے دونوں طرفوں کو الٹ دیا

جائے۔ اسے تشبیہ مقلوب کہتے ہیں۔ جیسے

وَبَدَا الصُّبْحُ كَأَنَّ غُرَّتَهُ

وَجْهَ الْخَلِيفَةِ حِينَ يُمْتَدِّحُ

دور صبح ظاہر ہوئی گویا کہ اس کی روشنی بادشاہ کا چہرہ ہے جب اس کی مدح کی

جائے۔

اس بادشاہ کا چہرہ مشبہ تھا اور صبح کی روشنی مشبہ بہ لیکن اس کو الٹ دیا اور اب بادشاہ

کا چہرہ مشبہ بہ بنادیا گیا۔

مجاز کا بیان

مجاز وہ لفظ ہے جس کو کسی تعلق کی وجہ سے اس معنی میں استعمال کیا جائے جس کے لیے اس کو وضع نہیں کیا گیا (غیر ماضع لہ میں استعمال)
اس میں ایسا قرینہ ہوتا ہے جو سابق معنی (جس کے لیے اسے وضع کیا گیا) مراد لینے سے مانع ہوتا ہے مثلاً۔

فَلَا تَنْتَكُمُ بِالْأُذُنِ فُلَانٌ مَخْصُصٌ مِّنْهُ مَوْتِي جَزْرٌ بے ہیں۔
یہاں الأُذُنُ (موتی) کا لفظ فصیح کلمات کے لیے استعمال ہوا تو یہ استعمال اس معنی میں ہے جس کے لیے موتی کا لفظ وضع نہیں کیا گیا کیونکہ حقیقت میں "الأُذُنُ" کا لفظ موتیوں کے لیے وضع کیا گیا ہے پھر اسے فصیح کلمات کی طرف منتقل کیا گیا کیونکہ موتیوں اور فصیح کلمات میں حسن کے اعتبار سے تشبیہ کا علاقہ (تعلق) ہے اور لفظ کلام اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں موتی اپنے حقیقی معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔
اسی طرح قرآن مجید میں ہے

يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ

وہ اپنی انگلیوں (کے پوروں) کو اپنے کانوں میں ڈالتے ہیں۔

یہاں انگلیوں سے ان کے پورے مراد ہیں اور یہ غیر ماضع لہ میں استعمال ہے کیونکہ أصابع (اصابع کی جمع) کا لفظ انگلیوں کے لیے وضع کیا گیا ہے پوروں کے لیے نہیں لیکن چونکہ پورے انگلیوں کی جزء ہیں تو اس علاقہ (تعلق) کی وجہ سے پورے مراد لیے اور حقیقی معنی مراد لینے میں رکاوٹ پر قرینہ یہ ہے کہ پوری انگلی کو کان میں ڈالنا ممکن نہیں لہذا اکل بول کر جزء مراد لیا۔

استعارہ اور مجاز مرسل میں فرق

اگر حقیقی اور مجازی معنی کے درمیان تشبیہ کا علاقہ ہو جیسے پہلی مثال میں ہے تو اسے استعارہ کہتے ہیں۔

اور اگر تشبیہ کا علاقہ نہ ہو جیسے دوسری مثال میں ہے تو اسے مجاز مرسل کہتے ہیں۔

استعارہ

استعارہ وہ مجاز ہوتا ہے جس میں تشبیہ کا علاقہ ہو جیسے۔ قرآن مجید میں ہے

کُتِبَ الْفُرْقَانُ الْبَیِّنُ لِيُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ

یہ کتاب ہم نے اسے آپ کی طرف اتارا تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالیں۔

یعنی گمراہی سے ہدایت کی طرف نکالیں۔

یہاں ظلمات اور نور کا لفظ ان معنوں میں استعمال نہیں ہوئے جن کے لیے ان کو وضع کیا گیا یعنی حقیقی معنی میں مستعمل نہیں ہیں۔

گمراہی اور اندھیرے کے درمیان تشبیہ کا علاقہ ہے اور اسی طرح ہدایت اور نور کے درمیان بھی تشبیہ کا علاقہ ہے اور اس میں قرینہ اس کا ماقبل یعنی "کُتِبَ الْفُرْقَانُ الْبَیِّنُ" ہے کیونکہ کتاب کے اتارنے کا مقصد گمراہی سے ہدایت کی طرف لے جانا ہے لہذا یہاں ظلمات اور نور کا حقیقی معنی مراد نہیں ہو سکتا۔

استعارہ میں اصل یہ ہے کہ تشبیہ کی دو طرفوں میں سے ایک طرف کو نیز وجہ شبہ اور حرف تشبیہ کو بھی حذف کیا جائے۔

نوٹ مشبہ کو مستعار لہ اور مشبہ بہ کو مستعار منہ کہتے ہیں۔

پس اس مثال میں مستعار لہ مگر اسی اور ہدایت ہے اور مستعار منہ اندھیرے اور نور کا (حقیقی) معنی ہے۔ اور لفظ ظلمات اور لفظ نور کو مستعار کہا جاتا ہے
استعارہ کی تقسیم

استعارہ کی تین قسمیں ہیں

پہلی تقسیم طرفین کے ذکر کے اعتبار سے ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) استعارہ مصرحہ (۲) استعارہ مکیہ (۳) استعارہ مجملہ بھی کہتے ہیں

استعارہ مصرحہ: وہ استعارہ ہے جس میں لفظ مشبہ بہ صراحتاً ذکر کیا گیا ہو۔ جیسے

لَمَنْطَرْتُ لَنُؤَلِّقًا مِنْ نَرْجَسٍ وَمَنْقُثٍ

وَزُكَا وَعُصْفُ عَلَى الْعُنَابِ بِسُكْرٍ

پس اس نے زگس (آنکھ) سے موتیوں کی (آنسوؤں) بارش برساتی اور اس

سے گلاب کے پھول (رخساروں) کو سیراب کیا اور ہاونہ پھول (انگلی) کو اگلے (دانت) سے کاٹا۔

اس شعر میں شاعر نے موتی 'زگس' گلاب 'عُنَاب' اور اگلے کو بالترتیب آنسو

آنکھوں رخساروں انگلیوں کے پوروں اور دانتوں کے لیے استعارہ کیا۔ لیکن آنسو مشبہ

ہیں اور موتی مشبہ بہ آنکھ مشبہ اور زگس مشبہ بہ اسی طرح رخسار انگلیوں کے پورے اور دانت

مشبہ ہیں۔ اور گلاب کا پھول 'عُنَاب' اور اگلے مشبہ بہ ہیں۔ یہاں مشبہ بہ واضح الفاظ میں

مذکور ہے۔

(۲) استعارہ مکیہ: وہ ہے جس میں مشبہ بہ محذوف ہو لیکن اس کے لوازم میں سے کچھ چیز

سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہو۔ جیسے: قرآن مجید میں ہے

وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ: اور ان (ماں باپ) کے لیے
رحمت کے پر جھکا دو

اس آیت میں پرندے کو ذل (جھکنے) کے لیے استعارہ کیا پھر اسے حذف کر دیا
اور اس پر اس (پرندے) کے لوازم میں سے ایک چیز یعنی پروں نے دلالت کی ذل
(جھکنے) کے لیے پروں کو ثابت کرنے کا نام ارباب بلاغت کے نزدیک استعارہ تخیلیہ
ہے۔

دوسری تقسیم لفظ مستعار کے اعتبار سے ہے اس صورت میں استعارہ کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) استعارہ اصلیہ (۲) استعارہ تبعیہ

استعارہ اصلیہ: وہ استعارہ ہے جس میں مستعار اسم غیر مشتق ہو جیسے۔ لفظ ”ظلام“
مستعار ہے ”ضلال“ کے لیے اور ”نور“ مستعار ہے ہدای (ہدایت) کے لیے۔

استعارہ تبعیہ: وہ استعارہ ہے جس میں مستعار فعل یا حرف یا اسم مشتق ہو جیسے۔

فعل کی مثال: فُلَانٌ رَكِبَ كَهْفِي غَرِيبِهِ

فلان شخص اپنے قرض دار کے گاہد ہوں پر سوار ہو گیا۔ یعنی اچھی طرح اس کے
پچھے پڑ گیا۔

اسی طرح ارشاد: رَی ہے

حرف کی مثال: مَكِّي عَلَيَّ هَذِي مِّنْ رَّبِّهِمْ۔ وہ لوگ اپنے رب کی طرف سے

جیسی وہ یورپی ہدایت حاصل کرنے پر قادر ہیں۔

پہلی مثال میں لفظ مستعار فعل ”رَكِبَ“ ہے اور دوسری مثال میں مستعار

حرف ”عَلَيَّ“ ہے۔

اس مشتق کی مثال: اسی طرح شاعر کا قول ہے

وَلَيْتُنْ نَطَقْتُ بِشُكْرِ يَزِيدٍ مُفَصِّحًا

فَلِلسَانِ خَالِي بِالشُّكْرِ أَنْطَقُ

قسم بخدا! اگر میں تیرے احسان کا شکر اپنی زبان سے صاف صاف کر کے بیان

کروں تو میری زبان حال اس سے بھی زیادہ شکایت کرنے والی ہے۔

اس میں لفظ أَنْطَقُ (اسم تفضیل) مستعار ہے جو اسم مشتق ہے

اسی طرح: اَذْقَنَةُ لِبَاسِ الْعَوْتِ میں نے اُسے موت کا لباس پہنایا (یعنی

پہنایا)

یہاں "اَذْقَنَةُ" مستعار ہے جو فعل ہے۔

تیسری تقسیم: مناسبت و تعلقات کے اعتبار سے استعارہ کی تین اقسام ہیں۔

(۱) مرثعہ (۲) مجردہ (۳) مطلقہ

(۱) استعارہ مرثعہ: وہ استعارہ ہے جس میں کوئی ایسا لفظ ذکر کیا جائے جو مشبہ بہ کے

مناسب ہو۔ مثلاً۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کو خریدا پس ان کی تجارت

نے ان کو نفع نہ دیا۔

یہاں اشْتَرَا استبدال کے لیے مستعار ہے (یعنی خریدنے سے مراد بدلنا ہے

کہ انہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی حاصل کی) اور ربح (نفع) اور تجارت کا ذکر ترشح

ہے کیونکہ نفع اور تجارت خریدنے کے مناسبات میں سے ہیں۔

استعارہ مجرودہ: وہ استعارہ ہے جس میں شے کے مناسبات ذکر کیے جائیں۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

لَا ذَا قَهَا اللَّهُ لَيْسَ الْجُوعُ وَالْخَوْفُ پس اللہ تعالیٰ نے اس ہستی والوں کو بھوک اور خوف کا لباس چکھایا (پہنایا)

اس میں لباس بھوک اور ڈر وغیرہ کے وقت چھا جانے والی مصیبتوں کے لیے مستعار ہے اور اذائقہ چکھانا اس استعارہ کے لیے تجزیہ کہلاتا ہے۔ (کیونکہ یہ اطلاق اور ترشح سے خالی ہوتا ہے)

استعارہ مطلقہ: وہ استعارہ ہے جس کے ساتھ مناسبات کا ذکر نہ ہو۔ جیسے۔
يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ وہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو توڑتے ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے لیے توڑنا استعارہ ہے لیکن اس کا کوئی مناسب مذکور نہیں۔

نوٹ: ترشح اور تجزیہ کا اعتبار اس وقت ہوتا ہے جب قرینہ کے ساتھ استعارہ پورا ہو چکا ہو۔

مجاز مرسل

مجاز مرسل وہ مجاز ہے جس میں تشبیہ کا علاقہ (رابطہ) نہ ہو۔ مثلاً اس میں مشابہت کی بجائے درج ذیل میں سے کوئی علاقہ (تعلق و رابطہ) ہو۔

(۱) علاقہ مسیت: جیسے غَطِمَتْ يَدُ فُلَانٍ فُلَانٌ فُخِصَ كَابَاتُهُ بُوَاهُوگیا۔

یعنی اس کا انعام و اکرام بڑا ہے جس کا سبب ہاتھ ہے۔

(۲) مسیت: جیسے اَمْطَرَتِ السَّمَاءُ نَبَاتًا آسمان نے بزرہ برسایا۔

مطلب یہ ہے کہ پانی برسایا جس کے سبب سے بزرہ اگا یہاں بزرہ مسبب ہے

اور مطرب ہے۔

(۳) جزیت: جیسے اُرسلت العیون لتطلع علی احوال الغنم

میں نے آنکھیں بھیجیں تاکہ وہ دشمن کے حالات پر مطلع ہوں۔ یہاں عیون (آنکھوں) سے جاسوس مراد ہیں اور دونوں کے درمیان ربط و تعلق یہ ہے کہ آنکھیں جاسوس کی جزء ہیں۔

(۴) کایت: جیسے یجعلون اصابعهم فی اذانہم وہ اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں ڈالتے ہیں۔

انگلیوں نے پورے مراد ہیں تو یہاں کل بول کر جز مراد لیا کیونکہ پورے انگلیوں کی جزء ہیں۔

(۵) ماکان کا اعتبار: یعنی ماضی کا اعتبار کرنا جیسے۔

واتوا الیتامی اموالہم یتیموں کو ان کا مال دو۔

یعنی یتیم جو بالغ ہو چکے ہیں ان کو ان کا مال دو ان کی ماضی کا اعتبار کر کے الیتامی فرمایا اور نہ بالغ ہونے کے بعد یتیم نہیں رہے۔

(۶) ما یكون کا اعتبار: یعنی مستقبل کا اعتبار کرنا۔ مثلاً۔

ایسی ارانی اغصرو حفرا میں نے اپنے آپ کو ان گور کارس نچوڑتے ہوئے

دیکھا۔

یہاں مستقبل کا اعتبار کرتے ہوئے رس کو خر (شراب) کہا حالانکہ ابھی وہ خر

(شراب) نہیں لیکن مستقبل میں شراب ہوگی۔

(۷) کلیت: جیسے قردہ المجلس ذلک مجلس نے اسے مقرر کیا۔

یعنی اہل مجلس نے مقرر کیا تو چونکہ مجلس اہل مجلس کا محل (جگہ) ہے اس لیے فعل کی نسبت علاقہ محلیت کی بنیاد پر مجلس کی طرف کی گئی۔
(۸) حالت: ارشاد خداوندی ہے

فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ پس اللہ تعالیٰ کی رحمت میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

یہاں رحمت سے جنت مراد ہے چونکہ جنت محل (جگہ) ہے اور رحمت اس میں حال (اترنے والی) ہے اس لیے حال بول کر محل مراد لیا۔

مجاز مرکب

اگر لفظ مرکب کا استعمال موضوع لہ میں نہ ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) اس کا استعمال علاقہ تشبیہ کے علاوہ کسی دوسرے علاقہ کے سبب سے ہو تو اس کو مجاز مرکب کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جس طرح خبری جملے انشاء میں استعمال ہوں۔ مثلاً شاعر کا قول ہے

هَوَايَ مَعَ الزَّكَبِ الْيَمَانِيْنَ مُضْعِفُ

جَنِيْبٌ وَجْثَمَانِيْ بِعَكَّةَ مُؤَثِّقُ

میری محبوبہ یعنی قافلے والوں کے ساتھ ان کے پہلو پہ پہلو جا رہی ہے اور میرا

جسم مکہ مکرمہ میں گرفتار ہے۔

اس شعر میں خبر دینا مقصود نہیں بلکہ غم اور حسرت کا اظہار ہے یعنی جملہ خبریہ

انشائیہ کے معنی میں استعمال ہوا۔

(۲) اگر تشبیہ کا علاقہ ہو تو اسے استعارہ تشبیہیہ کہتے ہیں جیسے کہی شردد کرنے والے شخص

سے کہا جائے۔

اَوَاك تَقْدِمُ رُجُلًا وَتُوَخِّرُ اُخْرٰی میں دیکھتا ہوں کہ تم ایک قدم آگے
بڑھاتے ہو اور دوسرے کو پیچھے ہٹاتے ہو۔

یہاں فکری تردد کے لیے وہ لفظ استعمال کیا گیا جو چلنے کے تردد میں استعمال ہوتا

ہے۔

مجاز عقلی

فعل یا معنی فعل کی اسناد کسی علاقہ کی وجہ سے اس چیز کے غیر کی طرف کرنا جس
کے لیے وہ فعل یا معنی فعل ظاہر میں متکلم کے نزدیک ہو جیسے۔

اَشَابَ الصَّغِيرَ وَاَفْنٰی الْكَبِيرَ

كَرُّ الْغَدَلَةِ وَمَرُّ الْعَشِي

بچے کو جوان اور بوڑھے کو فنا کر دیا صبح کے بار بار آنے اور شام کے جانے نے۔

(جوانی اور فنا کرنے) کی اسناد اس کے غیر فاعل کی طرف کی گئی ہے۔ (یعنی

زمانے کی طرف) حالانکہ حقیقت میں جوان کرنے اور فنا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

(۱) مبنی للفاعل کی اسناد مفعول کی طرف کرنا جیسے۔

عَيْشَةٌ رَاضِيَةٌ پسندیدہ زندگی

حالانکہ زندگی ”مَرْضِيَّة“ ہوتی ہے رَاضِيَّة نہیں ہوتی۔

(۲) اس کا عکس یعنی مبنی للمفعول کی اسناد فاعل کی طرف کرنا۔ جیسے۔

سَبِيلٌ مَفْعَمٌ بھرپور سیلاب

یہاں مفعول (مَفْعَم) فاعل کے معنی میں ہے کیونکہ سیلاب بھرپور نہیں ہوتا۔

بلکہ وادی بھرپور ہوتی ہے۔

(۳) مبنی للفاعل مصدر کی طرف اسناد جیسے جَذَّ جَذَهُ اس کی کوشش کامیاب ہوئی۔
حالانکہ کوشش کرنے والا (فاعل) کامیاب ہوتا ہے لیکن یہاں مصدر فاعل کے معنی میں لیا گیا۔

(۴) مبنی للفاعل کی زمان کی طرف نسبت جیسے نَهَارُهُ صَائِمٌ اسکا دن روزہ دار ہے۔

حالانکہ روزہ دار آدمی ہوتا ہے دن تو روزے کا زمان (وقت ہے)

(۵) مبنی للفاعل کی مکان کی طرف نسبت جیسے نَهْرٌ جَارٌ نہر جاری ہے

حالانکہ پانی جاری ہوتا ہے مگر تو اس کے لیے مکان (جگہ ہے)

(۶) مبنی للفاعل کی سبب کی طرف اسناد جیسے بَنَى أَمِيرُ الْمَدِينَةِ حَاكِمٌ نے شہر بنایا۔

حالانکہ شہر بنانے والے امیر کے خادم ہوتے ہیں لیکن سبب امیر ہے لہذا اس کی طرف اسناد ہوئی۔

نوٹ: گزشتہ بحث سے معلوم ہوا کہ مجاز لغوی لفظ میں ہوتا ہے اور مجاز عقلی اسناد میں ہوتا ہے۔

کنایہ

کنایہ وہ لفظ ہے جس سے اس کا لازم معنی (جو معنی سے لازم آتا ہے) مراد لیا جائے جب کہ وہ معنی (صریح معنی) مراد لینا بھی جائز ہوتا ہے۔

کنایہ کی اقسام

کنی عنہ (جس سے کنایہ کیا جائے) کے اعتبار سے کنایہ کی تین اقسام ہیں۔

(۱) وہ کنایہ جس میں کنی عنہ صفت ہو جیسے خُصَاءُ کا قول ہے

طَوِيلُ النِّجَادِ رَفِيعُ الْعِمَادِ
كَثِيرُ السَّرْمَادِ إِذَا مَاشَا

وہ ممدوح دراز قد اونچے ستون والا زیادہ راگھ والا ہے جب موسم سرما ہو
مطلب یہ ہے کہ اس کا قد لمبا ہے اور وہ سردار کریم ہے راگھ کا ڈھیر اور اونچے
ستون مہمان نوازی اور سرداری کی علامت ہے۔

(۲) وہ کنایہ جس میں مکنی عنہ نسبت ہو۔ جیسے

الْمَجْدُ بَيْنَ ثَوْبَيْهِ وَالْكَرَمُ تَحْتَ رِدَائِهِ بزرگی اس کے دو کپڑوں

درمیان اور سخاوت و کرم اس کی چادر کے نیچے ہے۔

یہاں بزرگی اور کرم کی ممدوح کی طرف نسبت ہے کیونکہ کپڑوں کے درمیان اور
چادر کے نیچے وہی شخص ہے۔

(۳) وہ کنایہ جس میں مکنی عنہ نہ صفت ہو نہ نسبت۔ جیسے شاعر کا قول ہے

النَّصَارِيُّ بِكُلِّ أَيْتَرٍ مَخْدَمٌ
وَالطَّاعِنِينَ مَجَامِعَ الْأَضْغَانِ

میں ایسے ضرب لگانے والوں کی تعریف کرتا ہوں جو چمکدار کانٹے والی تلوار سے
مارتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی (پسند کرتا ہوں) جو ایسے دلوں کو چھلنی کرتے ہیں جو کینے اور
حد کے جامع ہیں۔

یہاں ”مَجَامِعَ الْأَضْغَانِ“ سے دل مراد ہیں اور قلوب نہ تو صفت ہے نہ
نسبت ہے۔

کنایہ کی مزید اقسام

تکوتح: اگر کنایہ میں واسطے زیادہ ہوں تو اسے تکوتح کہتے ہیں۔ جیسے هُوَ كَثِيْرُ الزَّمَانِ وہ زیادہ را کھ والا ہے یعنی کریم ہے۔ کیونکہ را کھ کا زائد ہونا زیادہ جلانے کو مستلزم ہے اور زیادہ جلانا زیادہ پکانے اور روٹی کو لازم ہے اور ان دونوں کا زیادہ ہونا کھانے والوں کی کثرت کو لازم کرتا ہے اور اس سے مہمانوں کی کثرت لازم آتی ہے اور مہمانوں کی کثرت کرم اور سخاوت کو لازم کرتی ہے۔

رمز: اگر کنایہ میں واسطے کم اور پوشیدہ ہوں تو اسے رمز کہتے ہیں۔ جیسے وَهُوَ صَمِيْمٌ رَخْوٌ وہ موٹا ڈھیلا ہے۔

یعنی کند ذہن اور ست ہے۔ کیونکہ موٹا پا اور ڈھیلا پن ذہنی طور پر ڈھیلا ہونے کا سبب ہے اور یہ دونوں اسے لازم ہیں لیکن یہ لزوم ایسا باریک (پوشیدہ) ہے کہ ہر شخص کو اس کا علم نہیں ہوتا۔

ایماء: اگر کنایہ میں واسطے کم ہوں یا بالکل ہی نہ ہوں اور ان کی وضاحت کی گئی ہو تو اسے ایماء اور اشارہ کہتے ہیں۔ جیسے

أَوْ مَا رَأَيْتَ الْمَجْدَ الْقَيَّ رَحْلَهُ

فِي آلِ طَلْحَةَ ثُمَّ لَمْ يَتَحَوَّلْ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بزرگی نے طلحہ کے خاندان میں اپنے خیمے گاڑ رکھے ہیں پھر وہ (وہاں سے کسی دوسری طرف) نہیں پھری۔

یہاں طلحہ کے خاندان کے سب لوگوں کی نیکی بیان ہو رہی ہے اور واسطہ صرف ایک ہے اور وہ الْمَجْدُ یعنی بزرگی ہے۔

تعریف: یہاں کنایہ کی ایک اور قسم بھی ہے جس کو سمجھنے کے لیے سیاق کلام (گزشتہ کلام) پر اعتماد ڈلیا جاتا ہے اور اسے تعریف کہتے ہیں اور یہ کلام کو کسی ایک طرف مائل کرنا ہے جس طرح کوئی شخص لوگوں کو نقصان پہنچاتا ہو تو کہا جائے۔

خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُهُمْ لوگوں میں بہترین (آدمی) وہ ہے جو ان کو نفع پہنچائے



علم بدیع

علم بدیع وہ علم ہے جس کے ذریعے اس کلام کو خوبصورت بنانے کے طریقے معلوم کیا جاتے ہیں جو (کلام) مقتضائے حال کے مطابق ہوا ان طریقوں میں سے بعض تعلق معنوی تحسین سے ہوتا ہے ان کو محسنات معنویہ کہتے ہیں اور بعض تحسین لفظی سے متعلق ہوتے ہیں ان کو محسنات لفظیہ کہا جاتا ہے۔

محسنات معنویہ

وہ امور جو معنی میں حسن پیدا کرتے ہیں وہ محسنات معنویہ کہلاتے ہیں اور وہ درج ذیل چوبیس امور ہیں۔

(۱) توریہ:

ایسا لفظ ذکر کیا جائے جس کے دو معنی ہوں ایک قریب والا معنی جو کلام سے فوری طور پر سمجھ آتا ہو اور دوسرا معنی بعید ہو اور فائدہ کی غرض سے کسی خفیہ قرینہ کی بنیاد پر یہی (دوسرا) معنی مراد ہو جیسے ارشاد خداوندی ہے

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ

ترجمہ: وہی اللہ ہے جو تمہیں رات کو قبضہ میں لے لیتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم نے برا عمل کیا۔

جرح کے دو معنی ہیں ایک قریب یعنی زخمی کرنا اور دوسرا بعید یعنی گناہوں کا ارتکاب اور یہاں یہی مراد ہے یہ معنی کسی پوشیدہ قرینے کی وجہ سے سمجھ میں آتا ہے۔

اور شاعر کا قول ہے

يَا سَيِّدَا حَارَّ لُطْفًا لَهُ الْبَرَّ اَيَا غِيْدُ
اَنْتَ الْحُسَيْنُ وَلَكِنْ جَفَاكَ فَيْنَا يَزِيْدُ

ترجمہ: اے سردار! جس نے لطف و احسان کو جمع رکھا ہے (اور) جس کے لیے مخلوق غام ہے آپ حسین رضی اللہ عنہ لیکن ہمارے درمیان آپ پر ظلم بڑھ رہا ہے۔
یزید کا عام فہم (قریب) معنی یہ ہے کہ وہ ایک شخص (یزید بن معاویہ) کا نام ہے لیکن اس کا معنی بعید مقصود ہے اور وہ زاد سے مضارع کا صیغہ ہے جس کا معنی بڑھنا ہے۔

(۲) ابہام

کلام میں ایسا لفظ بولنا جو دو متضاد وجہوں کا احتمال رکھتا ہو۔ جیسے

بَارَكَ اللهُ لِلْحَسَنِ وَلِبُورَانَ فِي الْخَتَنِ
يَا اِمَامَ الْهُدَى ظَفِرَتْ وَلَكِنْ بَيِّنَتْ مَنْ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ حسن کو مبارک کرے اور بوران کو بھی رشتہ داری مبارک ہو اے امام ہدیٰ آپ کا میاب ہو گئے لیکن کس کی صاحبزادی کے ساتھ۔

شاعر کے قول ”بیئت من“ میں دو متضاد احتمال ہیں کہ عظمت کی وجہ سے مدح ہو یا کمینگی کے باعث مذمت ہو۔ (یعنی جس کی لڑکی ہے وہ عظیم ہے یا وہ بہت کمینہ ہے)

(۳) توجیہ

کسی معنی کا فائدہ ان الفاظ کے ذریعہ دینا جو اس معنی کے لیے وضع کیے گئے ہیں لیکن یہ الفاظ لوگوں یا کسی اور چیز کے نام ہوں۔ جیسے شاعر نے نہر کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

اِذَا فَاخَرْتُهُ الرِّيحُ وَلْتُ غَلِيْلَةٌ بِاَذْيَالٍ كُتْبَانُ الشَّرَى تَتَعَسَّرُ
 بِهَ الْفَضْلُ يَبْدُو الرِّيحُ وَكَمْ غَدَا بِهَ الرُّوْضُ يَحْيٰ وَهَوْلًا شَكَّ جَعْفَرُ
 ترجمہ: جب ہوا ممدوح کے سامنے فخریہ طور پر چلی ہے تو پیٹھ پھیر کر غناک مٹی کے ٹیلوں
 کے دامن سے اُلجھ جاتی ہے ممدوح کی وجہ سے فضل (فضیلت) اور ربیع (موسم بہار) نمایاں
 ہو رہے ہیں اور اس کی وجہ سے کتنے باغوں کو زندگی ملی ہے اور بلاشبہ وہ جاری چشمہ جعفر
 ہے۔

یہاں فضل ربیع، سبکی اور جعفر انسانوں کے نام ہیں اگرچہ ان معانی پر دلالت کر
 رہے ہیں جن کے لیے ان کو وضع کیا گیا (جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے)
 دوسری مثال

وَمَا حَسَنَ بَيْتٍ لَهُ زُخْرُفٌ تَرَاهُ اِذَا زُلْزِلَتْ لَمْ يَكُنْ
 ترجمہ: اس مکان میں کوئی خوبصورتی نہیں جس کی خوبصورتی بناوٹی (ظاہری) ہے تم
 اسے دیکھو گے جب زلزلہ آئے گا تو یہ نہیں رہے گا۔
 (اس شعر میں "زُخْرُفٌ" اِذَا زُلْزِلَتْ " اور "لَمْ يَكُنْ" مسورتوں کے نام
 ہیں)

(۴) طباق

ایسے دو معنوں کو جمع کرنا جو ایک دوسرے کے مقابلے میں ہوں جیسے ارشاد
 خداوندی ہے۔

وَتَحْسِبُهُمْ اِيْقَاطًا وَهُمْ رُقُودٌ

ترجمہ: اور تم ان کو جاگتے ہوئے خیال کرتے ہو حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں۔

اس میں اِيْقَاطًا (جاگتے ہوئے) اور رُقُودٌ (سوئے ہوئے) ایک دوسرے کی

مُتَدَاوِر مَقَابِلِ هِيَ۔

دوسری مثال:

وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ

يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

ترجمہ: اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے وہ دنیوی زندگی سے ظاہر کو جانتے ہیں۔

یہاں لَا يَعْلَمُونَ اور يَعْلَمُونَ ایک دوسرے کی ضد اور مقابل ہیں۔

(۵) مقابلہ

یہ بھی طباق کی ایک قسم ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ دو یا زیادہ معانی لائے

جائیں پھر ان کے مقابل معنوں کے الفاظ کو ترکیب کے ساتھ لایا جائے۔ جیسے ارشاد

خداوندی ہے۔

فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا

ترجمہ: پس چاہیے کہ وہ کم ہنسیں اور چاہیے کہ زیادہ رویں۔

یہاں ”فَالْيَضْحَكُوا“ کے مقابلہ میں ”وَلْيَبْكُوا“ اور ”قَلِيلًا“ کے مقابلے

میں ”كَثِيرًا“ ہے۔

(۶) تذبذب

یہ بھی طباق کی ایک قسم ہے اور یہ رنگوں کے الفاظ کا باہم مقابل ہونا ہے۔ جیسے

تَرَدَّى ثِيَابَ الْمَوْتِ حُمْرًا فَأَمَّا آتِي

لَهَا اللَّيْلُ إِلَّا وَهِيَ مِنْ سُندُسٍ خُضْرٍ

ترجمہ: اس نے موت کے سرخ کپڑوں کو اپنی چادر بنا لیا۔ پھر ابھی رات بھی نہ آئی کہ وہ

سرخ کپڑے سبز کپڑوں میں بدل گئے۔

خون کا رنگ سوخ ہوتا ہے شہادت کی وجہ سے سرخ لباس کہا گیا پھر جنتی سبز لباس پہنایا گیا۔

(۷) اذماج

(لغوی معنی لپیٹنا ہے)

اصطلاحاً ایسا کلام جس کو کسی معنی کے لیے چلایا گیا ہو لیکن دوسرے معنی کو بھی شامل ہو۔ جیسے ابو طیب متنبی کا قول ہے۔

أَقْلَبُ فِيهِ أَجْفَانِي كَأَنِّي

أَعْدُّ بِهَا عَلَى الدَّهْرِ الذُّنُوبَا

ترجمہ: اس رات میں اپنے پوٹے پھیر رہا تھا گویا میں اس سے زمانے کے کناروں کو گنتا ہوں۔

اس میں رات کی لمبائی کا ذکر کیا اور اس کے ضمن میں زمانے کی شکایت بھی کر دی۔

(۸) استماع

یہ اذماج کی ایک قسم ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی تعریف اس طرح کی جائے کہ تبعاً دوسرے کی تعریف بھی ہو جائے۔ جیسے خورازمی نے کہا

سَمِعَ الْبَدِيهَةَ لَيْسَ يُمَسِّكُ لَفْظُهُ

فَكَانَ مَا الْفَاطَةُ مِنْ مَالِهِ

ترجمہ: فی البدیہہ کلام میں ایسا سنی ہے کہ اس کے کلام میں رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی گویا اس

کے الفاظ اس کے مال سے ہیں۔

اس کلام میں ممدوح کی تعریف برجستہ کلام کے ساتھ کی گئی اور اس کے ضمن میں سخاوت کا ذکر بھی ہو گیا۔

(۹) مراعاة النظر

کسی بات کو اس کی مناسب بات کے ساتھ جمع کرنا اس مناسب بات میں تضاد نہ ہو جیسے شاعر کا قول ہے۔

إِذَا صَدَقَ الْجَدُّ افْتَرَى النِّعَمَ لِلْفَتَى

مَكَارِمُ لَا تَخْفَى وَإِنْ كَذَبَ الْخَالُ

ترجمہ: جب کسی نوجوان کی قسمت ٹھیک ہوتی ہے تو عوام مخالفت کرتے ہیں اچھے اخلاق نہیں چھپتے اگرچہ اس گمان کو جھٹلایا جائے۔

اس میں لفظ جد 'عم' اور خال کو جمع کیا گیا ہے (جد) سے مراد حصہ (قسمت) ہے دوسرے (عم) سے مراد عام لوگ ہیں اور تیسرے (خال) سے مراد گمان ہے۔ ان الفاظ میں مناسبت واضح ہے۔

”جَدُّ“ دادا ”عَمُّ“ چچا اور ”خَالُ“ ماموں کو کہا جاتا ہے لیکن یہاں یہ معانی مراد نہیں ہیں۔

(۱۰) استقحام

یہ لفظ کو ایک معنی کے لیے ذکر کرنا اور دوسرے معنی کے ساتھ ضمیر کو لوٹانا یا دوسرے ضمیریں لوٹانا اور دوسری ضمیر سے وہ معنی مراد لینا جو پہلی ضمیر کے معنی کے علاوہ ہو۔ پہلی صورت کی مثال۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ

ترجمہ: جس تم میں سے جو شخص مہینے (رمضان المبارک) کو پائے تو اس کے روزے رکھے۔
 ”شہر“ سے پہلی کا چاند مراد ہے اور ”فَلْيَصُمْهُ“ کی ضمیر منصوب سے ماہ رمضان المبارک مراد ہے۔

دوسری صورت کی مثال شاعر کا قول ہے

فَسَقَى الْغَضَاءَ وَالسَّائِكِيهِ وَإِنْ هُمْ

شَبَّوْهُ بَيْنَ جَوَانِحِي وَضُلُوعِي

ترجمہ: وہ غصاء درخت اور وہاں کے رہنے والوں کو سیراب کرے اگرچہ ان لوگوں نے اس کی آگ کو میرے پہلوؤں اور پسلیوں کے درمیان بھڑکا دیا غصاء ایک درخت ہے جو جنگل میں ہوتا ہے۔ (اے جہاؤ کہتے ہیں)

”سَّائِكِيهِ“ کی ضمیر مجرور غصاء کی طرف لوٹی ہے یعنی وہ جگہ جہاں یہ درخت ہے وہاں کے رہنے والے اور ”شَبَّوْهُ“ کی ضمیر منصوب بھی اسی کی طرف لوٹی ہے لیکن یہ درخت کے معنی میں نہیں بلکہ آگ کے معنی میں ہے۔

(۱۱) استطراد

استطراد یہ ہے کہ متکلم اس غرض سے جس میں وہ ہے کسی مناسبت کی بنیاد پر دوسری غرض کی طرف نکلے پھر پہلی غرض کو پورا کرنے کی طرف لوٹے جیسے ہموال کا قول ہے

وَإِنَّا أَنَا لَا نَرَى الْقَتْلَ سَبَّةً إِذَا مَارَأْنَهُ عَامِرٌ وَ مَلُولٌ

يُقَرِّبُ حُبَّ الْمَوْتِ أَجَالَنَا لَنَا وَتَكْرَهُهُ آجَالُهُمْ فَتَطُولُ

وَمَامَاتٌ مِّنَّا سَبْدٌ حَتَفَ الْفَهْ وَلَا طُلَّ مِنَّا حَيْثُ كَانَ قَتِيلٌ

ترجمہ: ہم وہ لوگ ہیں جو لڑائی کو عیب نہیں سمجھتے جب کہ عامر اور ملول کے قہیلے اسے عیب

شمار کرتے ہیں۔

موت کی محبت ہماری موت کے وقتوں کو قریب کرتی ہے اور ان کی موت کے اوقات موت کو ناپسند کرتے ہیں۔

اور ہمارا کوئی سردار طبعی موت نہیں مرا اور ہمارے کسی مقتول کا خون ضائع نہیں

ہوا۔

اس قصیدہ کو لاءنے کا مقصد اپنے قبیلے پر فخر کرنا تھا۔ درمیان میں عامر اور سلول کی مذمت کی پھر (اپنے مقصد کو مکمل کرنے کی طرف) رجوع کیا۔

(۱۲) افتنان

دو مختلف فن جمع کرنا جیسے غزل اور حماسہ مدح اور ہجاء تعزیه او تہینہ، (کو جمع کرنا) جیسے عبد اللہ بن ہمام سلولی جب یزید کے پاس گیا اور اسکے والد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو چکا تھا اور انہوں نے اسے سلطنت میں اپنا نائب بنایا تھا تو اس وقت عبد اللہ بن ہمام سلولی نے کہا

أَجْرَكَ اللَّهُ عَلَى الرَّزِيَّةِ وَبَارَكَ لَكَ فِي الْعَطِيَّةِ وَأَعَانَكَ عَلَى
الرَّعِيَّةِ فَقَدْ رَزَيْتَ عَظِيمًا وَأَعْطَيْتَ جَسِيمًا فَاشْكُرِ اللَّهَ عَلَى مَا
أَعْطَيْتَ وَاصْبِرْ عَلَى مَا رَزَيْتَ فَقَدْ فَقَدْتَ الْخَلِيفَةَ وَأَعْطَيْتَ الْخُلَافَةَ
فَقَارَقْتَ خَلِيلًا وَوَهَبْتَ جَلِيلًا

اِصْبِرْ يَزِيدُ فَقَدْ فَارَقْتَ ذَائِقَةَ
وَأَشْكُرْ حَيَاءَ الَّذِي بِالْمُلْكِ أَصْفَاكَ
لَا رِزْءَ أَصْبَحَ فِي الْأَقْوَامِ نَعْلَمُهُ
كَمَا رَزَيْتَ وَلَا عُقْبَى كَعُقْبَاكَ

تر: اے یزید! اللہ تعالیٰ تمہیں اس مصیبت پر اجر دے اور اس عظیمیہ (حکومت) میں برکت دے رعایا کے مقابلے میں تمہاری مدد کرے۔ تم بڑی مصیبت میں مبتلا ہو اور تمہیں بہت بڑا کام سونپا گیا پس اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ تمہیں سلطنت دی گئی۔ اور مصیبت جو پیشی اس پر: بررو تم نے خلیفہ کو کھویا تو تمہیں خلافت دی گئی تم دوست سے جدا ہوئے تو تمہیں بہت بڑی نعمت حاصل ہوئی۔

اے یزید صبر کرو تم ایک بااعتماد شخص (والد گرامی) سے جدا ہوئے اور اس نبیل القدر ہستی کا شکر ادا کرو جس نے تمہیں اس سلطنت کے لیے منتخب کیا ہمیں معلوم نہیں کہ دنیا کی قوموں پر اتنی بڑی مصیبت آتی ہو جتنی بڑی تم پر آئی اور کسی کو ایسا اچھا بدلہ ملا ہو جو تمہیں ملا۔

اس پورے قصیدے میں تعزیت اور مبارک باد کو کتنے اچھے انداز میں مختلف فنون کے ساتھ پیش کیا گیا اس کو صنعت افتنان کہتے ہیں۔

(۱۳) جمع

متحدہ کو ایک حکم میں اکٹھا کرنا جمع کہلاتا ہے۔ جیسے شاعر کا قول ہے۔

إِنَّ الشَّبَابَ وَالْفِرَاعَ وَالْجَدَّةَ

مُفْسِدَةٌ لِلْمَرْءِ أَيْ مُفْسِدَةٌ

ترجمہ: بے شک جوانی، فراغت اور امیری تینوں چیزیں انسان کے لیے بہت بڑے فساد اور بگاڑ کا باعث ہیں۔

یہاں جوانی، فراغت اور امیری تینوں کو ایک حکم (یعنی فساد) میں جمع کیا ہے۔

(۱۴) تفریق

ایک قسم کی دو چیزوں کے درمیان فرق بیان کرنا تفریق ہے۔ جیسے شاعر کا قول

مَا نَوَالُ الْغَمَامِ وَقْتُ رَبِيعٍ كَنَوَالِ الْأَمِيرِ يَوْمَ سَخَاءٍ

فَنَوَالُ الْأَمِيرِ بِنْدَرَةِ عَيْنٍ وَنَوَالُ الْغَمَامِ قَطْرَةُ مَاءٍ

ترجمہ: بہار کے وقت بادلوں کی بارش امیر کی اس بخشش کی طرح نہیں ہوتی جو سخاوت کے دین ہوتی ہے پس امیر کی بخشش اثر فیوں سے بھری ہوئی تھیلی ہوتی ہے اور بادلوں کی سخاوت پانی کا قطرہ ہے۔ دونوں سخاوتوں کے درمیان فرق بیان کر دیا ہے۔

(۱۵) تقسیم

اس کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) کسی چیز کی تمام اقسام کو پورا کرنا جیسے شاعر کا قول ہے۔

وَأَعْلَمُ عَلِيمَ الْيَوْمِ وَالْأَمْسِ قَلِيلٌ

وَلَكِنِّي عَنْ عَلِيمٍ مَّا فِي غَدٍ عَمِي

ترجمہ: میں آج اور کل (گزشتہ) کا علم رکھتا ہوں لیکن آنے والے کل کے علم سے اندھا ہوں (بے خبر ہوں)

تینوں زمانوں ماضی حال استقبال کا ذکر کر دیا۔

(۲) متعدد کا ذکر کرنا اور ہر ایک کو اس کے مناسب کی طرف تعین کے ساتھ لوٹانا۔

جیسے شاعر نے کہا۔

وَلَا يُقِيمُ عَلَى ضَمِيمٍ يُرَادُ بِهِ إِلَّا الْأَذْلَانِ غَيْرُ الْحَيِّ وَالْوَتْدِ

هَذَا عَلَى الْخَسَفِ مَرْبُوطٌ بِرُمْتِهِ وَذَا يُشْجُّ فَلَا يَرْتِنِي لَهُ أَحَدٌ

ترجمہ: اور کوئی بھی اس قسم کے ظلم پر قائم نہیں رہ سکتا جس کا ارادہ کیا گیا البتہ دوسرے

سے زیادہ ذلیل (ٹھہر سکتے ہیں) قبیلے کا گدھا اور دوسرا کھونٹا یہ گدھا اپنی ذلت کے ساتھ اپنی
 بری سے بندھا ہوا ہے اور وہ کھونٹا جو ٹھونکا جاتا ہے اس پر کوئی بھی ترس نہیں کھاتا۔
 یہاں پہلے عمر اور وفد (گدھے اور کھونٹے) کا ذکر کیا پھر ان کے مناسب بات
 ذکر کی یعنی گدھے کو باندھنا اور کھونٹے کو ٹھونکنا۔

(۳) یا متعدد اشیاء کو ذکر کرنا اور ان میں سے ہر ایک کے لائق چیز کو اس کی طرف مضاف کرنا
 جیسے:

سَأَطْلُبُ حَقِّي بِالْقَنَاقِ وَمَشَانِخَ كَأَنَّهُمْ مِنْ طُولِ مَا التَّشْمُوا مُرْدُ
 ثِقَالٌ إِذَا لَاقُوا خِفَافًا إِذَا دُعُوا كَثِيرٌ إِذَا شَدُّوا قَلِيلٌ إِذَا عُذُّوا
 ترجمہ: عنقریب میں اپنا حق نیزوں اور تجربہ کار بوڑھوں کے ذریعے مانگوں گا گویا وہ
 دیر تک نقاب ڈالنے کی وجہ سے بے ریش نوجوان (سمجھے جاتے) ہیں۔ جب جنگ کرتے
 ہیں تو بھاری ہوتے ہیں اور جب بلائے جائیں تو ہلکے ہوتے ہیں اور جب وہ حملہ آور ہوں تو
 زیادہ ہیں اور جب ان کی گنتی کی جائے تو تھوڑے ہیں۔

یہاں ثِقَالٌ اور لَاقُوا کے درمیان خِفَافًا اور دُعُوا کے مابین کَثِيرٌ اور
 شَدُّوا کے درمیان جب کہ قَلِيلٌ عُذُّوا کے درمیان مناسبت ہے تو اس ترتیب سے ان
 کو لایا گیا۔

(۱۶) طلی اور نشر

متعدد کو تفصیل یا اجمال کے طور پر ذکر کرنا پھر ان میں سے ہر ایک کے مناسب کو
 کسی تعین کے بغیر محض سننے والے کے ذہن پر اعتماد کرتے ہوئے بیان کرنا۔ جیسے
 ارشاد خداوندی ہے۔

جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے رات اور دن بنائے تاکہ تم اس (رات) میں سکون حاصل کرو اور اس کا فضل (دن کے وقت) تلاش کرو۔

تو سکون رات کی طرف لوٹتا ہے اور ابتغاء (تلاش رزق) کا رجوع دن کی طرف ہے۔ (یہاں رات اور دن کا اکٹھا ذکر کر کے ہر ایک کے مناسب بات ذکر فرمائی) اور شاعر کا قول ہے

ثَلَاثَةٌ تُشْرِقُ الدُّنْيَا بِنَهْجَتِهَا

شَمْسُ الضُّحَى وَأَبُو إِسْحَاقَ وَالْقَمَرُ

ترجمہ: تین شخصیات ہیں جن کی چمک سے دنیا روشن ہے اس وقت چاشت کا سورج، ابو اسحاق اور چاند۔

یہاں پہلے ثَلَاثَةٌ (تین) کے لفظ سے اجمال بیان کیا اور پھر اس کی تفصیل بیان کی اور تینوں کا نام لیا۔

(۷۱) ارسالِ مثل اور کلامِ جامع

ایسا جامع اور مناسب کلام لایا جائے جو بطور ضربِ مثل کئی جگہوں پر کام آئے اور دونوں (ارسالِ مثل اور کلامِ جامع) میں فرق یہ ہے کہ پہلا شعر کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے۔ جیسے

لَيْسَ التَّعَكُّلُ فِي الْعَيْنَيْنِ كَالْكَحَلِ

ترجمہ: آنکھوں میں سرمہ لگانا قدرتی طور پر سرگین آنکھوں کی طرح ہے۔ اور دوسرا شعر مکمل ہوتا ہے جیسے

إِذَا جَاءَ مُوسَىٰ وَأَلْقَىٰ الْعَصَىٰ
فَقَدْ بَطَلَ السَّحَرُ وَالسَّاحِرُ

ترجمہ: جب موسیٰ (علیہ السلام) آگئے اور لٹھی (زمین پر) ڈال دی تو جادو اور جادوگر
دونوں کا وجود ختم ہو گیا۔

ان دو مثالوں میں جو مذکور ہے وہ کئی جگہ ضرب المثل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

(۱۸) مبالغہ

کسی وصف کے بارے میں دعویٰ کرنا کہ وہ شدت یا ضعف میں اس حد تک پہنچ
گیا ہے کہ عقل اسے بعید یا محال سمجھتی ہے۔

اس کی تین اقسام ہیں۔

(الف) تبلیغ: جب مدعی عقلی طور پر اور عادتاً ممکن ہو تو اسے تبلیغ کہتے ہیں۔ جس
طرح شاعر نے گھوڑے کا وصف بیان کرتے ہوئے کہا

إِذَا مَا سَابَقَتْهَا الرِّيحُ فَرَّتْ

وَأَلْقَتْ فِي يَدِ الرِّيحِ التُّرَابَا

ترجمہ: جب ہوا اس گھوڑے سے مقابلہ کرتی ہے تو وہ ہوا سے آگے بھاگ جاتا ہے اور ہوا
کے ہاتھ میں گرد و غبار ڈال دیتا ہے۔ (تو گھوڑے کی تیز رفتاری ممکن ہے)

(ب) اغراق: مبالغہ کی دوسری قسم اغراق ہے یعنی جب مدعی عقلی طور پر ممکن ہو لیکن
عادتاً ممکن نہ ہو۔ جیسے شاعر کا قول ہے

وَنُكْرِمُ جَارَنَا مَا دَامَ فِينَا

وَتُبْعُهُ الْكِرَامَةُ حَيْثُ مَا لَا

ترجمہ: ہم اپنے پڑوسی کی عزت کرتے رہتے ہیں جب تک وہ ہمارے پاس رہے اور جب وہ چلا جاتا تو ہم عزت کو اس کے پیچھے بھیجتے ہیں۔ (عزت کو پیچھے بھیجنا عادتاً ممکن نہیں)

(ج) غلو: مبالغہ کی تیسری قسم غلو ہے یعنی جب مدعا عقلاً اور عادتاً دونوں طرح محال ہو تو اسے غلو کہتے ہیں۔ جیسے شاعر نے کہا

تَكْبَادُ قِسِيَّةٍ مِنْ غَيْرِ رَامٍ

تُمْكِنُ فِي قُلُوبِهِمُ النَّيَالُ

ترجمہ: قریب ہے کہ کمائیں تیر چلانے والوں کے بغیر ہی دشمنوں کے دلوں میں تیر چھا دیں۔

ایسا ہونا عقلاً اور عادتاً دونوں طرح محال ہے۔

(۱۹) مغایرت

کسی چیز کی مذمت کرنے کے بعد اس کی تعریف کرنا یا اس کے برعکس کرنا (تعریف کرنے کے بعد مذمت کرنا) جیسے دینار کی تعریف میں کہا

اَكْرَمُ بِهِ اَصْفَرُ رَاقَتْ صَفَرَتُهُ

ترجمہ: وہ زرد دینار کس قدر عزیز ہے جس کی زردی دیکھنے والے کو پسند آتی ہے (اور حیران کرتی ہے)

یہ بات دینار کی مذمت کرنے کے بعد کہی (مذمت میں کہا)

تَبَّالَهُ مِنْ خَادِعٍ مِمَّا ذِقَ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اسے تباہ کرے یہ کس قدر دھوکے باز منافق ہے (خرچ ہوتا ہے ہاتھ سے چلا جاتا ہے)

(۲۰) تاکید مدح مشابہ ذم

(مدح کی تاکید جو ذمت کے مشابہ ہو) اس کی دو قسمیں ہیں۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ مذمت کی منفی صفت سے صفت مدح کو مستغنی کرنا اور یہ فرض کیا جائے کہ یہ اس میں داخل تھی جیسے شاعر کا قول ہے

وَلَا عَيْبَ فِيهِمْ غَيْرَ أَنَّ سُيُوفَهُمْ

بِهِنَّ فَلَوْلَ مِنْ قَرَاعِ الْكُتَابِ

ترجمہ: ان لوگوں میں اس کے علاوہ کوئی عیب نہیں کہ دشمن کا مقابلہ کرتے کرتے ان کی تلواروں میں دندانے پڑ گئے ہیں۔

ظاہر میں عیب معلوم ہوتا ہے کہ تلواریں کند ہیں لیکن حقیقت میں تعریف ہے کیونکہ دشمن سے سخت مقابلہ کا ذکر ہے اور اسی وجہ سے تلواروں میں دندانے پڑے ہیں۔ دوسری قسم یہ ہے کہ کسی چیز کے لیے صفت مدح ثابت کی جائے اور اس کے بعد حرف استثناء لایا جائے جس کے ساتھ ہی دوسری صفت مدح ملی ہوئی ہو۔

جیسے شاعر کا قول ہے

فَتَّى كَمُلْتُ أَوْصَافَهُ غَيْرَ أَنَّهُ

جَوَادٌ فَمَا يَبْقَى عَلَى الْمَالِ بَاقِيَا

ترجمہ: ایسا جوان جس کے اوصاف کامل ہو گئے سوائے اس کے کہ وہ بخشنے والا ہے پس اس کے مال میں سے کچھ نہیں بچتا۔

یہاں اوصاف کا کامل ہونا جو مدح ہے ذکر کیا پھر حرف استثناء ذکر کر کے اسکی سخاوت کا ذکر کیا۔ (لفظ غیر یہاں استثناء کے لیے ہے اور الا کے معنی میں ہے)

(۲۱) تاکید ذم مشابہ مدح

(یعنی ایسے الفاظ کے ساتھ مذمت کرنا جو مدح کے مشابہ ہوں)

اسکی بھی دو قسمیں ہیں

پہلی قسم: مدح کی منفی صفت سے جو (مذمت) کی صفت کو الگ کرنا اور فرض کرنا کہ وہ اس میں داخل تھی۔ جیسے

فُلَانٌ لَا خَيْرَ فِيهِ إِلَّا أَنَّهُ يَتَصَدَّقُ بِمَا يَسْرِقُ

ترجمہ: فلاں آدمی میں کوئی بھلائی نہیں مگر یہ کہ وہ جو کچھ چوری کرتا ہے اسے صدقہ کر دیتا ہے۔

چوری کرنے کا ذکر کر کے مذمت کی لیکن اس میں صدقہ کرنے کا بھی ذکر کیا جو

مدح ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ کس چیز کے لیے صفت ذم ثابت کی جائے۔ اور اس کے بعد

حرف استثناء لایا جائے جس کے ساتھ دوسری صفت ذم آئے۔ جیسے شاعر کا قول ہے۔

هُوَ الْكَلْبُ إِلَّا أَنَّ فِيهِ مَلَالَةً

وَسُوءُ مُرَاعَاةٍ وَمَا ذَاكَ فِي الْكَلْبِ

ترجمہ: وہ کتا ہے مگر اس میں تنگ دلی ہے اور وہ بد لحاظ ہے اور یہ بات کتے میں نہیں

ہے۔

اس شعر میں کتا کہہ کر مذمت کی اور پھر حرف استثناء (إِلَّا) لاکر اس کے بعد اس

کی تنگ دلی اور بد لحاظی کا ذکر ہے تو دونوں جگہ مذمت ہے۔

(۲۲) تجرید

ایک صفت والی بات سے ایک دوسری بات جو صفت میں اس کی مثل ہو مبالغہ کے لیے نکالی جائے کہ یہ صفت اس (پہلی بات) میں کامل طور پر پائی جاتی ہے۔ اس کی چند صورتیں ہیں۔

(الف) تجرید بھی من کے ساتھ ہوتی ہے جیسے۔

لَيْئِنْ مِنْ فُلَانٍ صَدِيقٌ حَمِيَّةٌ

ترجمہ: میرے لیے فلاں آدمی سے ایک نہایت قریبی دوست ہے۔
یعنی فلاں آدمی میرا اتنا مخلص دوست ہے کہ اس سے اس کی مثل اور دوست بھی بنائے جاسکتے ہیں۔

(ب) کبھی تجرید فی کے ساتھ ہوتی ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے

لَهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْدِ

ترجمہ: ان کے لیے دوزخ میں ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔
یعنی جہنم خود ہمیشہ رہنے کا گھر ہے لیکن پھر اس کے اندر ہمیشہ رہنے کا گھر یہ جہنم میں ہمیشہ رہنے کے اعتبار سے مبالغہ ہے۔

(ج) کبھی تجرید باء کے ساتھ ہوتی ہے جیسے

لَيْئِنْ سَأَلْتَ فُلَانًا لَسُئِلْنَا بِهِ الْبَحْرُ

ترجمہ: اگر تم فلاں سے سوال کرو گے تو یقیناً سمندر سے سوال کرو گے یہ اس شخص کی سخاوت میں مبالغہ ہے۔

(د) تجرید کی ایک صورت انسان کا اپنے آپ کو خطاب کرنا ہے۔ جیسے شاعر کا قول

ہے

لَا خَيْلَ عِنْدَكَ تُهْدِيهَا وَلَا مَالٌ
فَلْيَسْعِدِ السُّطُوقُ إِنْ لَمْ تُسْعِدِ الْحَالُ

ترجمہ: اے قس! تمہارے پاس نہ گھوڑا ہے نہ مال جسے تو ہدیہ کے طور پر پیش کرے تو (کم از کم) تیرا کلام ہی مدد کرے اگر حال مدد نہیں کر سکتا مطلب یہ ہے کہ اگر مال یا گھوڑے کا تحفہ پیش نہیں کر سکتا ہے تو اس کی تعریف ہی کر دے۔

(۱) یا تجرید ان تمام (مذکورہ بالا) صورتوں کے علاوہ ہوتی ہے جیسے شاعر کا قول ہے

فَلَسِنْ بَقِيَتْ لَارَحْلَنْ لِعَزْوَةٍ
تَحْوِي الْغَنَائِمَ أَوْ يَمُوتُ كَرِيمٌ

ترجمہ: اگر میں زندہ رہا تو ایک عظیم غزوہ کے لیے جاؤں گا جو غنیمتوں کو جمع کرنے کا ذریعہ ہو گا یا ایک شریف آدمی مر جائے گا۔

تو یہاں کریم کہہ کر اس نے اپنے کرم و سخاوت میں مبالغہ سے کام لیا۔

(۲۳) حسن تعلیل

کسی وصف کے لیے علت غیر حقیقیہ کا دعویٰ کیا جائے۔ لیکن اس میں کوئی مآدور و عجیب بات ہو جیسے شاعر کا قول ہے

وَلَوْ لَمْ تَكُنْ نِيَّةُ الْجَوَازِاءِ بِخِدْمَتِهِ
لَمَّا رَأَيْتَ عَلَيْهَا عَقْدَ مُسْطَبِقِ

ترجمہ: اگر جوازا کی نیت اس (محبوب) کی خدمت نہ ہوتی تو (اے سننے والے) تم اس کے جسم پر کمر بند کی گرہ نہ دیکھتے۔

یعنی اس کا کمر بند باندھنا خدمت کی دلیل ہی تو ہے۔

(۲۴) اختلاف اللفظ مع المعنی

یعنی لفظ کا معنی کے موافق ہونا اس لیے ہماری بھرم اور سخت الفاظ فخر اور بہادری کے لیے اور نرم کلمات اور نازک عبارت غزل وغیرہ کے لیے اختیار کی جاتی ہے۔ جیسے شاعر نے کہا

إِذَا مَا غَضِبْنَا غَضِبَ مُطَرِّبُهُ
هَتَكْنَا حِجَابَ الشَّمْسِ أَوْ قَطَرْتُ دُمَا
إِذَا مَا أَعْرَتْنَا سَيِّدًا مِنْ قَبِيلَةٍ
فَرَى مِنْبَرٍ صَلَّى عَلَيْنَا وَسَلَّمَا

ترجمہ: جب ہم قبیلہ معمر کی طرح غصہ میں ہوتے ہیں تو سورج کا پردہ چاک کر دیتے ہیں کہ خون ٹپک پڑتا ہے اور جب ہم کسی قبیلہ کے سردار کو منبر کی بلندی پر پیش کرتے ہیں تو وہ ہماری تعریف کرتا اور سلام پیش کرتا ہے۔ اسی طرح شاعر کا یہ قول ہے

لَمْ يَطُلْ لَيْسَى وَلَكِنْ لَمْ أُنَمْ
وَنَفْسِي عَلَى الْكَرَى طَيْفَ الْمَم

ترجمہ: میری رات لمبی نہیں ہوئی لیکن میں سویا بھی نہیں محبوب کا تصور میری نیند اڑا کر لے گیا۔

تو یہاں شاعر ایسے الفاظ لایا ہے جو اس کی مراد کے مناسب ہیں۔

محسنات لفظیہ

وہ باتیں جو الفاظ میں حسن پیدا کرتی ہیں ان کو محسنات لفظیہ کہتے ہیں اور یہ نو

ہیں۔

(۱) تشابہ الاطراف:

تشابہ الاطراف یہ ہے کہ کہ جملہ کے آخری لفظ کو اسکے بعد آنے والے جملہ کے شروع میں بھی لایا جائے یعنی جملہ کا آغاز بنایا جائے یا کسی شعر کے آخری لفظ کو آنے والے شعر کا شروع (والا کلمہ) بنایا جائے جیسے ارشاد خداوندی ہے

فِيهَا مَصْبَاحُ الْمَصْبَاحِ قِي زُجَاجَةُ الزُّجَاجَةِ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ
ترجمہ: اس (طاق) میں ایک چراغ ہے چراغ ایک شیشے میں (رکھا ہوا) گویا وہ ایک چمکتا
ہوا ستارہ ہے فیہا مصباح پہلا جملہ ہے اور اس کا آخری لفظ مصباح دوسرے جملہ
کے شروع میں بھی ہے دوسری مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

إِذَا نَزَلَ الْحَجَّاجُ أَرْضًا مَرِيضَةً تَتَّبِعُ أَقْصَى ذَائِبِهَا فَشَفَاهَا
شَفَاهَا مِنَ الدَّاءِ لِلْعُضَالِ الَّذِي بِهَا غُلَامٌ إِذَا هَزَّ الْقَنَاةَ مَقَاهَا
ترجمہ: جب حجاج کسی بیمار زمین پر اترتا ہے تو سب سے پہلے اس زمین کی انتہائی بیماری
کی تشخیص کر کے اسے شفا دیتا ہے وہ اسے ایسی لاء علاج بیماری سے شفاء دیتا ہے جو اس میں
ہے وہ ایسا نو جوان ہے کہ جب نیزے کو ہلاتا ہے تو اسے سیراب کر کے چھوڑتا ہے۔
پہلے شعر کے آخر میں لفظ شفا ہا ہے اور یہی لفظ دوسرے شعر کے شروع میں ہے

(۲) جناس:

دو لفظوں کا لفظ میں باہم مشابہ ہونا اور معنی میں متشابہ نہ ہونا جناس کہلاتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں

(۱) جناس تام (۲) جناس غیر تام

جناس تام وہ ہے جس کے حروف ہیئت (شکل) نوع عدد اور ترتیب میں متفق ہوں۔

جناس تام کی چار قسمیں ہیں

(۱) متماثل (۲) مستونی (۳) متشابہ (۴) مفروق

(۱) متماثل: ایک نوع کے دو لفظوں کے درمیان اتحاد ہو تو وہ متماثل ہے جیسے

لَمْ نَلْقَ غَيْرَكَ إِنْسَانًا يُلَاقِيهِ فَلَا يَرْحَتُ لَعَيْنِ اللَّعْنَةِ إِنْسَانًا

ترجمہ: ہم نے تمہارے علاوہ کوئی ایسا انسان نہیں پایا جس کی پناہ حاصل کی جائے تم ہمیشہ کے لئے زمانے کی آنکھ کی پتلی ہو۔

یہاں لفظ انسان دو مرتبہ آیا ہے اور دونوں کا ایک نوع سے تعلق ہے یعنی دونوں اسم ہیں اور دونوں شکل (حرکات و سکات) ترتیب حروف اور تعداد حروف میں بھی ایک جیسے ہیں۔

(۲) مستوفی: اگر دونوں لفظوں کی انواع مختلف ہوں تو وہ مستوفی ہے جسے شاعری کا قفل ہے

فَدَارِهُمْ مَا دُمْتُ فِي دَارِهِمْ وَأَرْضِهِمْ مَا دُمْتُ فِي أَرْضِهِمْ

ترجمہ: میں ان سے نرمی سے پیش آؤں جب تک ان کے گھر میں رہوں اور ان کو راضی رکھوں جب

تک ان کی زمین میں رہو۔

فَذَارِهِمْ - میں ذارہم کا معنی ان سے نرمی سے پیش آؤ یہ فعل امر ہے اور دوسرا ذارہم مضاف مضاف الیہ جس میں لفظ دار اسم ہے لہذا النوع میں اختلاف ہے۔ (ایک اسم دوسرا فعل) ترتیب الفاظ اور ہیئت (حرکات و سکونات) میں ایک جیسے ہیں۔ اسی طرح پہلا ارض (امر کا صیغہ) فعل ہے اور دوسرا ارض اسم ہے۔

(۳) متشابہ

اگر دو ایسے لفظوں کے درمیان جناس تام ہو جن میں سے ایک مرکب اور دوسرا مفرد ہو اور خط (کتابت) میں متفق ہوں تو یہ بھی جناس تام ہے اور اسے متشابہ کہتے ہیں۔ جیسے شاعر کا قول ہے۔

اِذَا مَلَكَ لَمْ يَكُنْ ذَاهِبَةً فَدَعُهُ فِدْوَلَتُهُ ذَاهِبَةً

ترجمہ: جب کوئی بادشاہ عطا کرنے والا نہ ہو تو اسے چھوڑ دو پس اس کی دولت جانے والی ہے۔

یہاں پہلا ذاہبہ مرکب ہے وہ ذال اور ہبہ سے مل کر بنا ہے اور دوسرا ذاہبہ (اسم فاعل واحد مونث) مفرد ہے لکھنے میں دونوں ایک جیسے ہیں۔

مفروق

اگر دو ہم جنس لفظوں میں سے ایک مرکب اور دوسرا مفرد ہو لیکن کتابت میں ایک جیسے نہ ہوں تو یہ جناس تام مفروق ہے جیسے۔

كُلُّكُمْ قَدْ أَخَذَ الْجَمَامَ وَلَا جَمَامَ لَنَا

مَا الَّذِي لِيْ ضَرٌّ مُدِيدَ الْجَمَامِ لَوْ جَامَلْنَا

ترجمہ: تم میں سے ہر ایک نے جامِ شراب لے لیا اور ہمارے لیے جام نہیں کیا چیز ساقی کو نقصان پہنچاتی اگر وہ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرتا۔

پہلے مصرعہ میں جام لفنا مرکب ہے جام الگ اور لفنا الگ کلمہ ہے جب کہ دوسرے میں جَامَلَفْنَا مفرد ہے یعنی وہ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے اور انداز تحریر بھی دونوں کی الگ ہے۔

غیر تام

جناس کی دوسری قسم غیر تام ہے یعنی دو ہم جنس مذکورہ بالا چار امور ہیئت نوع عدد اور ترتیب میں سے کسی ایک میں مختلف ہوں اس کی چار صورتیں ہیں۔

محرف: صرف ہیئت میں دو لفظ مختلف ہوں تو یہ محرف ہے۔ جیسے شاعر کا قول ہے

جُبَّةُ الْبُرْدِ جُنَّةُ الْبُرْدِ

ترجمہ: یمنی دہاری دار کپڑے کا جبہ سردی کی ڈھال ہے۔
یہاں جبۃ اور جفۃ میں ہیئت کے اعتبار سے فرق ہے باقی چیزوں میں متفق ہیں۔
مطرف: جب دو لفظ صرف تعداد حروف میں مختلف ہوں اور لفظ کی زیادتی شروع میں ہو۔
جیسے:

وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ إِلَى رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقِ

ترجمہ: اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی۔ اس دن تیرے رب کی طرف ہانکنا ہے۔
یہاں "مساق" کے شروع میں ایک حرف میم زائد ہے۔

یاد درمیان میں اضافہ ہو جیسے:

جَدْنِي جُهْدِي

ترجمہ: میری مالداری میری کوشش ہے

یہاں درمیان میں "ہا" زائد ہے جَدِی مشدّد مخفف کے علم میں ہے لہذا
جدد و دال شمار نہیں ہوں گی۔ (مختصر المعانی)

مذیل: اگر آخر میں حرف زائد ہو تو اسے مذیل کہتے ہیں۔ جیسے

يُمِثُّونَ مِنْ اَيْدِ عَوَاصٍ عَوَاصِمَ تَصُولُ بِاَسْيَافٍ قَوَاضٍ قَوَاضِبَ

ترجمہ: وہ لوگ جنگ کے وقت ایسے ہاتھوں کو بڑھاتے ہیں جو دشمن کے مقابلہ میں سرکش
اور دوستوں کے لیے مددگار ہوتے ہیں۔

وہ ایسی تلواروں سے حملہ کرتے ہیں جو فیصلہ کرنے والی ہلاک کرنے والی ہیں
عَوَاصٍ 'عَاصِيَةٌ' کی جمع ہے اور عَوَاصِمَ 'عَاصِمَةٌ' کی جمع ہے قَوَاضٍ 'قَاضِيَةٌ'
کی جمع اور قَوَاضِبُ 'قَاضِيَةٌ' کی جمع ہے۔

عَوَاصٍ کے مقابلے میں عَوَاصِمَ کے آخر میں میم زائد ہے اسی طرح
قَوَاضٍ کے مقابلے میں قَوَاضِبَ کے آخر میں باء زائد ہے۔

مضارع: اگر دونوں کے حروف مختلف ہوں لیکن مخارج کے اعتبار سے دوری نہ ہو تو اس
کو مضارع کہتے ہیں جیسے يَنْهَوْنَ اور يَنْهَوْنَ۔ ایک میں ہا اور دوسرے میں ہمزہ ہے لیکن
دونوں کا مخرج ایک ہے۔

لاحق: اگر مخرج میں ایک دوسرے سے دور ہوں تو یہ صورت جناس غیر تام لاحق کہلاتی
ہے۔ جیسے

اِنَّهُ عَلَىٰ ذٰلِكَ لَشَهِيدٌ وَّ اِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ

ترجمہ: بے شک وہ اس پر گواہ ہے۔ اور بے شک وہ مال کی چاہت میں ضرور سخت ہے۔

یہاں شہید اور شدید میں یہ فرق ہے کہ پہلے میں ہا اور دوسرے میں دال ہے اور دونوں کا مخرج الگ الگ ہے۔

جناس قلب

اگر صرف ترتیب حروف میں فرق ہو تو اسے جناس قلب کہتے ہیں۔
مثلاً: نیل اور لین دونوں میں حروف ایک جیسے ہیں لیکن ترتیب میں مختلف ہیں
اسی طرح ساق اور قاس کے حروف بھی ایک جیسے ہیں لیکن ترتیب میں اختلاف ہے۔

(۳) تصدیر

تصدیر کو رد العجز علی الصدر بھی کہتے ہیں اس کی دو صورتیں ہیں

نثر میں تصدیر:

نثر میں دو مکرر یا دو ہم جنس لفظ یا ایسے دو لفظ جو دو ہم جنس لفظوں سے ملحق ہوں یعنی
ان دونوں کو اشتقاق یا شبہ اشتقاق نے اکٹھا کیا ہو تو ایسے دو لفظوں میں سے ایک جملہ کے
شروع میں اور دوسرا اس جملہ کے آخر میں ہو تو یہ نثر میں تصدیر ہے۔ جیسے

پہلی مثال: وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهَ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ

ترجمہ: اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو اور اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ اس سے ڈرو۔
یہاں تَخْشَى دو جگہ یا ایک جملہ کے شروع میں اور دوسرا آخر میں یہ مکرر
الفاظ کی مثال ہے۔

دوسری مثال: سَائِلُ اللَّيْمِ يَرْجِعُ وَدَمْعُهُ مَسَائِلُ

ترجمہ: اور بخیل (کنجوس) سے مانگنے والا ایسی حالت میں واپس آتا ہے۔ کہ اس کے
آنسو بہہ رہے ہوتے ہیں۔

پہلا سائل ' سوال سے اور دوسرا سیلان سے بنا ہے۔ تو یہ دونوں لفظ ہم جنس اور مکرر ہیں۔

تیسری مثال: اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا

ترجمہ: اپنے رب سے بخشش طلب کرو بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے۔

چوتھی مثال: قَالَ إِنِّي لَعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ

ترجمہ: میں تمہارے عمل کو برا سمجھنے والوں میں سے ہوں

اسْتَغْفِرُوا اور غَفَّارًا میں اشتقاق کی وجہ سے باہم تعلق ہے کیونکہ دونوں کا مادہ اشتقاق ایک ہی ہے اور وہ غفر ہے۔

آخری مثال میں قال اور قالین کا مادہ اشتقاق الگ الگ ہے۔ قال ' قول

(کہنا) سے بنا ہے اور قالین قلی (برا سمجھنا) سے بنا ہے۔ لہذا دونوں کا مادہ اشتقاق الگ الگ ہے صرف شبہ اشتقاق ہے۔

نظم میں تصدیق:

ایک لفظ شعر کے آخر میں اور دوسرا لفظ مصرعہ اول کے شروع میں یا اس کے بعد ہو۔ جیسے شاعر کا قول ہے

سَرِيعَ إِلَى ابْنِ الْعَمِّ يَلْطَمُ وَجْهَهُ وَلَيْسَ إِلَى دَاعِي النَّدَى بِسَرِيعٍ

ترجمہ: تو چچا زاد بھائی کے چہرے پر طمانچہ مارنے میں بہت تیز ہے لیکن فیاضی کی دعوت دینے والے امور میں تیز نہیں ہے۔

یہاں لفظ سریع پہلے مصرعہ کے شروع میں اور دوسرے کے آخر میں ہے۔

اسی طرح شاعر کا قول ہے

تَمَتُّعٌ مِنْ شَمِيمٍ عَرَارٍ نَجْدٍ فَمَا بَعْدَ الْعَشِيَّةِ مِنْ عَرَارٍ
ترجمہ: نجد کے خوشبودار درخت عرار کی خوشبو سے فائدہ اٹھا لو کیونکہ آج کی شام کے بعد عرار نہیں ملے گا۔

یہاں لفظ عرار ایک مصرعہ کے درمیان میں اور دوسرے کے آخر میں ہے۔

(۴) جمع

ثر کے آخر میں دو فاصلوں (یعنی دو فقروں کے آخری کلموں) کے درمیان توافق (موافقت) کو جمع کہتے ہیں۔ جمع کی تین اقسام ہیں۔

(الف) مطرف: اگر وزن میں دونوں کلمے مختلف ہو جائیں تو یہ جمع مطرف ہے۔ جیسے:

الْإِنْسَانُ بِآدَابِهِ لَا بِزِيَّهِ وَثِيَابِهِ

ترجمہ: انسان اچھے اخلاق سے انسان ہوتا ہے شان و شوکت اور لباس سے نہیں۔

یہاں آدابہ اور ثیابہ وزن میں مختلف ہیں۔

(ب) متوازن: اگر دونوں وزن میں ایک جیسے ہوں تو اسے جمع متوازن کہتے ہیں۔ جیسے:

الْمَرْءُ بِعِلْمِهِ وَآدَابِهِ لَا بِحَسَبِهِ وَنَسَبِهِ

یہاں بعلمہ اور نسبہ میں توازن ہے۔

ترجمہ: آدمی اپنے علم اور آداب سے ہوتا ہے حسب و نسب سے نہیں۔

(ج) مرصع: اگر دونوں کے تمام یا اکثر الفاظ وزن اور قافیہ میں موافق ہوں تو اسے جمع مرصع کہا جاتا ہے جیسے کہا گیا ہے۔

يَطْبَعُ الْأَسْجَاعَ بِجَوَاهِرِ لَفْظِهِ وَيَقْرَعُ الْأَسْمَاعَ بِزَوَاجِرِ وَعْظِهِ

ترجمہ: وہ اپنے الفاظ کے جواہر سے ہم وزن اور منقحے عبارتیں بناتا ہے اور اپنے واعظ کی ڈانٹ ڈپٹ سے کانوں کو کھٹکتا ہے۔

یہاں یطبع اور یقرع 'الاسجاع اور الاسماع' جو اہر لفظہ اور ہز او جرو عظہ ہم وزن اور ہم قافیہ الفاظ میں موافق ہیں۔

(۵) مالا یستحیل بالانعکاس (قلب)

محسنات لفظیہ کی پانچویں قسم مالا یستحیل بالانعکاس ہے اور اس کو قلب بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی عبارت کو الٹا کر کے پڑھنے سے کوئی تبدیلی نہیں آتی یعنی سیدھا پڑھیں یا الٹا دونوں طرح صحیح ہے۔ جیسے

کُنْ کَمَا امْکَنَکَ . اور رَبِّکَ فِکْبَرُ

شروع کا حرف کاف ہے آخر میں بھی کاف ہے دوسرا حرف نون ہے۔ آخر سے پہلا بھی نون ہیں وغیرہ۔

اگر آخری حرف کو پہلے اور اس کے بعد اس سے پہلے والا رکھا جائے پھر اسی طرح پیچھے کو چلتے جائیں تو وہی کُنْ امْکَنَکَ بن جائے گا۔ اسی طرح رَبِّکَ فِکْبَرُ میں بھی ہے۔

(۶) عکس:

کلام کے کسی جزء کو مقدم کر کے الٹ کیا جائے تو یہ عکس ہے مثلاً

حُرُّ الْکَلَامِ کَلَامُ الْحَرِّ

ترجمہ: آزاد کلام آزاد کا کلام ہے

یہاں حر الکلام میں سے کلام کو پہلے اور حر کو بعد میں کر کے پھر آخری لفظ کلام الحر کو مقدم کریں تو یہی جملہ بن جائے گا۔ یعنی حر الکلام کلام الحر

(۷) تشریع

شعر کی بنیاد دو قافیوں پر اس طرح رکھنا کہ اگر اس کا کچھ حصہ ساقط ہو جائے تو باقی

شعر مفید ہے۔ جیسے

يَا أَيُّهَا الْمَلِكُ الَّذِي غَمَّ الْوَرَى مَا فِي الْكَرَامِ لَهُ نَظِيرٌ يُنْظَرُ
لَوْ كَانَ مِثْلَكَ آخِرُ فِي عَصْرِنَا مَا كَانَ فِي الدُّنْيَا فَقِيرٌ مُعْسِرٌ

ترجمہ: اے بادشاہ! جس کی حکومت تمام مخلوق پر ہے سخاوت کرنے والوں میں اس کی کوئی نظیر نہیں جس کی طرف نظر کی جائے اگر تمہارے جیسا کوئی اور ہمارے زمانے میں ہوتا ہے تو دنیا میں کوئی فقیر تنگ دست نہ ہوتا۔

اگر یہاں سے آخری چار حصے عم الوری 'ینظر' فی عصرنا اور معسر کو حذف کر دیں تو بھی صحیح مفہوم باقی رہتا ہے۔
یعنی اب یوں ہو جائے گا

يَا أَيُّهَا الْمَلِكُ الَّذِي مَا فِي الْكَرَامِ لَهُ نَظِيرٌ
لَوْ كَانَ مِثْلَكَ آخِرُ مَا كَانَ فِي الدُّنْيَا فَقِيرٌ

ترجمہ: اے بادشاہ! جس کی کریم لوگوں میں کوئی نظیر نہیں اگر تیری طرح کوئی اور بھی ہوتا تو دنیا میں کوئی فقیر نہ ہوتا۔

(۸) مواربہ

مشکلم کا اپنے کلام کو ایسا بنانا کہ وہ بوقت ضرورت اس کے معنی میں تحریف یا تصحیف
(یعنی تبدیلی) کر سکے تاکہ وہ مواخذہ سے محفوظ رہ سکے۔
جیسے ابونواس کا قول ہے

لَقَدْ ضَاعَ شِعْرِي عَلَى بَابِكُمْ كَمَا ضَاعَ عَقْدٌ عَلَى خَالِصِهِ

ترجمہ: میرا شعر تمہارے دروازے پر اس طرح ضائع ہوا جیسے شاہی ہار خالصہ زہارون
الرشید کی لونڈی پر ضائع ہوا۔

جب ہارون الرشید نے اس پر اعتراض کیا اور سخت گرفت کی تو اس نے کہا
میں نے تو یہ صرف کہا

لَقَدْ ضَاءَ شِعْرِي عَلَى بَابِكُمْ كَمَا ضَاءَ عِقْدٌ عَلَى خَالِصِهِ

ترجمہ: میرا شعر تمہارے دربار میں ایسا چمکا جیسے شاہی ہار خالصہ پر چمکا۔

تو شاعر نے ضاع کی عین کو ہمزہ سے بدل کر ضاء پڑھا جس سے معنی بدل گیا
اور وہ مواخذہ سے بچ گیا۔

(۹) اختلاف اللفظ مع اللفظ

عبارت کے الفاظ مانوس اور نامانوس ہونے میں ایک ہی وادی (یعنی نوع) سے
ہوں۔ یعنی مانوس ہونے یا غیر مانوس ہونے میں ایک دوسرے کے موافق ہوں۔
جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

قَالَ اللَّهُ تَفْتَأُ تَذْكُرُ يُونُسَ

ترجمہ: اللہ کی قسم آپ حضرت یوسف (علیہ السلام) کا ذکر نہیں چھوڑیں گے۔

یہاں قسم میں حرف تاء ہے جو حروف قسم میں غیر مانوس ہے اور اس کے بعد تفتا
لایا گیا جو استمراری فعلوں میں سب سے زیادہ غیر مانوس ہے۔

سرقة کلام

سرقة کا معنی کسی کا مال چرانا ہے یہاں دوسرے شخص کے کلام کا سرقة مراد ہے سرقة

کلام کی کئی اقسام ہیں۔

نسخ اور انتحال

پہلی صورت

نثر لکھنے والا یا شاعر کسی دوسرے شخص کے الفاظ کو تبدیل کر کے بغیر اسکے مضمون کو اپنے کلام میں لائے تو سرقہ کو شیخ و انتحال کہتے ہیں۔ جیسے عبد اللہ بن زبیر (شاعر) نے معن بن اوس کے دو شعر لیے اور دعویٰ کیا کہ یہ اس کے اپنے شعر ہیں۔ وہ شعر یہ ہیں۔

إِذَا أَنْتَ لَمْ تُنْصِفْ أَخَاكَ وَجَدْتَهُ
عَلَى طَرْفِ الْهَجْرَانِ إِنْ كَانَ يَعْقِلُ
وَيَرْكَبُ حَدَّ السَّيْفِ مَنْ تَضَيُّمِهِ
إِذَا لَمْ يَكُنْ عَنْ شَفْرَةِ السَّيْفِ مَرْحُلُ

ترجمہ: جب تم اپنے بھائی کے ساتھ انصاف نہیں کرو گے تو تم اسے جدائی کے کنارے پر پاؤ گے اگر وہ عقلمند ہو اور وہ ظلم کی وجہ سے تلوار کی دھار پر سوار ہو جائے گا جب تلوار کی دھار سے بچنے کا کوئی راستہ نہ ہو۔

دوسری صورت

اسی طرح دوسرے شاعر وغیرہ کے الفاظ کو مترادف الفاظ سے بدل دیا جائے جیسے حلیہ (شاعر) کا قول ہے

دَعِ الْمَكَارِمَ لَا تَرْحَلْ لِبُعِيَّتِهَا
وَأَقْعُدْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الطَّاعِمُ الْكَلْبِيُّ

اسے یوں بدل دیا گیا

ذَرِ الْمَائِرَ لَا تَذْهَبْ لِمَطْلَبِهَا
وَأَجْلِسْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْأَكْلُ اللَّابِسُ

ترجمہ: تم عمدہ اخلاق کو چھوڑ دو اور ان کی تلاش میں نہ ہو جاؤ اور بیٹھ جاؤ کیونکہ تم صرف کھانے اور پہننے والے ہو۔

پہلے شعر اور دوسرے شعر دونوں کا ایک مطلب ہے الفاظ مترادف ہیں مدح کی جگہ ذر لا ترحل کی جگہ لا تذهب لبغیتھا کی جگہ لمطلبھا اعقد کی اجلس الطاعم کی جگہ الاکل اور الکاسی کی جگہ اللابس ہے۔

تیسری صورت

اس کے قریب قریب ہے کہ دوسرے شخص کے الفاظ کو (مترادف کی بجائے) ان کی ضد کے ساتھ بدل دیا جائے۔ لیکن نظم اور ترتیب کا خیال رکھا جائے مثلاً حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا قول ہے

بَيْضُ الْوُجُوهِ كَرِيمَةُ أَحْسَابِهِمْ شَمُّ الْأَنْوْفِ مِنَ الطَّرَازِ الْأَوَّلِ

ترجمہ: وہ لوگ خوبصورت چہرے والے ہیں خاندانی طور پر معزز ہیں اونچی ناک والے اور بزرگی میں اول درجہ پر فائز ہیں۔

اگر اس شعر میں الفاظ کو ان کی ضد سے بدلا جائے تو یوں پڑھا جائے گا۔

سُودُ الْوُجُوهِ لَيْئِمَةُ أَحْسَابِهِمْ قُطْسُ الْأَنْوُسِ مِنَ الطَّرَازِ الْآخِرِ

ترجمہ: وہ لوگ بد صورت چہرے والے اور برے نسب والے ہیں چپٹی ناک والے اور دوسرے درجہ کے لوگ ہیں۔

بیسض (سفید) کی جگہ سود (سیاہ) کریمۃ (معزز) کی جگہ لئیمۃ (غیر معزز) شم الانوف (اونچی ناک) کی جگہ قطس الانوف (چپٹی ناک) اور الطراز الاول (پہلا درجہ) کی جگہ الطراز الآخر (دوسرا درجہ) کے الفاظ لائے گئے ہیں۔ جو پہلے شعر کے الفاظ کی ضد اور مخالف ہیں۔

اغارہ

پہلے کلام کا معنی لیا جائے اور الفاظ بدل دیے جائیں اور دوسرا کلام پہلے کلام کے

مقابلے میں دوسرے درجے کا یا اس کے مساوی ہوا سے اغارہ اور مخ کہتے ہیں جیسے ابوتام کا قول ہے۔

هَيْهَاتَ لَا يَأْتِي الزَّمَانُ بِمِثْلِهِ إِنَّ الزَّمَانَ بِمِثْلِهِ لَبَخِيلٌ
ترجمہ: افسوس! زمانہ ممدوح کی مثل نہ لاسکا بے شک زمانہ اس کی مثل لانے میں بخیل ہے۔
ابوالطیب متنبی نے اس قول میں یوں کہا

أَعْدَى الزَّمَانَ سَخَاوَةً فَسَخَاهُ بِهِ وَلَقَدْ يَكُونُ بِهِ الزَّمَانُ بَخِيلًا
ترجمہ: اس کی سخاوت زمانے تک متعدی ہو گئی تو اس نے ممدوح کی سخاوت ہی کر دی ہے
شک زمانہ اس سلسلے میں بڑا بخیل ہوتا ہے۔

یہاں دوسرا مصرعہ ابوتام کے دوسرے مصرعہ سے ماخوذ ہے اور پہلا قول یعنی
ابوتام کا قول (ان الزمان البخ) زیادہ سلیس اور آسان ہے۔
الممام سلخ

سرقہ کی ایک قسم یہ ہے کہ سرقہ کرنے والا صرف معنی لے اور دوسرا قول پہلے قول
کے مقابلے میں کم درجہ رکھتا ہو یا اس کے مساوی ہو۔ اسے الممام اور سلخ کہا جاتا ہے۔
ایک شخص نے اپنے بیٹے کے مرثیہ میں کہا

وَالصَّبْرُ يُحْمَدُ فِي الْمَوَاطِنِ كُلِّهَا إِلَّا عَلَيْكَ فَإِنَّهُ لَا يُحْمَدُ
ترجمہ: صبر ہر جگہ قابل تعریف ہوتا ہے سوائے تمہارے کہ تم پر صبر قابل تعریف نہیں ہے۔
ابوتام نے سرقہ کرتے ہوئے اس قول میں کہا

وَقَدْ كَانَ يُدْعَى لَا بِسُ الصَّبْرِ حَازِمًا فَأَصْبَحَ يُدْعَى حَازِمًا حِينَ يَجْزَعُ
ترجمہ: پہلے ایسے شخص کو دور اندیش کہا جاتا تھا جو صبر کی صفیٰ سے موصوف ہو لیکن اب اس
شخص کو دور اندیش کہا جاتا ہے جو پریشان ہو۔

مندرجہ بالا دونوں اشعار میں صبر کا ایک ہی مفہوم بیان کیا گیا لیکن پہلے شعر میں عمدہ طور پر بیان کیا گیا۔

اقتباس

سر قہ کی ایک صورت اقتباس ہے اور اقتباس کی تعریف یہ ہے کہ (کسی شاعر کا) کلام قرآن و حدیث کے کسی حصے پر مشتمل ہو لیکن یہ نہ کہا جائے کہ یہ قرآن پاک سے ہے مثلاً شاعر کا قول ہے۔

لَا تَكُنْ ظَالِمًا وَلَا تَرُضَ بِالظُّلْمِ وَأَنْكَرُ بِكُلِّ مَا يُسْتَطَاعُ
يَوْمَ يَأْتِي الْحِسَابُ بِالظُّلُومِ مَا مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ

ترجمہ: نہ ظلم کرو اور نہ ظلم پر راضی ہو جس قدر ہو سکے ان دونوں باتوں سے انکار کرو جب ظلم کے حساب کا دن آئے گا تو نہ کوئی دوست ہوگا نہ سفارش کرنے والا جس کی بات قبول کی جائے۔

اس شعر کا آخری حصہ ”من حمیم ولا شفیع يطاع“ قرآن مجید سے ہے۔
اسی طرح شاعر نے کہا

لَا تُعَادِ النَّاسَ فِي أَوْطَانِهِمْ قَلَمًا يُرْعَى غَرِيبُ الْوَطَنِ
وَإِذَا مَا شِئْتَ عَيْشًا بَيْنَهُمْ خَالِقِ النَّاسِ بِخُلُقٍ حَسَنِ

ترجمہ: لوگوں سے ان کے وطنوں میں دشمنی نہ کرو کیونکہ بہت کم پردیسی کا لحاظ کیا جاتا ہے جب تم ان کے درمیان رہنا چاہو تو لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔

اس شعر کا آخری حصہ ”خالق الناس بخلق حسن“ حدیث شریف سے لیا گیا۔

نوٹ: وزن وغیرہ کے لیے قرآن و حدیث سے لیے گئے الفاظ میں تھوڑی سی تبدیلی

میں کوئی حرج نہیں۔ جیسے

قَدْ كَانَ مَا حَفْتُ أَنْ يَكُونَا أَنَا إِلَى اللَّهِ رَاجِعُونَ

ترجمہ: جس بات کے ہونے کا خوف تھا وہ ہو گئی بے شک ہم بھی اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے ہیں قرآن مجید میں ”اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَيْہِ رَاجِعُونَ“ ہے اور یہاں وزن شعری کی وجہ سے تبدیلی کر دی گئی۔

تضمین

تضمین بھی ہرقہ کلام کی ایک صورت ہے اس کو ایداع بھی کہتے ہیں۔ تضمین یہ ہے کہ کوئی شاعر اپنے شعر میں کسی دوسرے شاعر کے شعر کا کچھ حصہ داخل کرے اور اس بات سے آگاہ کرے کہ یہ فلاں کے شعر سے ہے اگر وہ مشہور نہ ہو جیسے شاعر کا قول ہے۔

إِذَا ضَاقَ صَدْرِي وَخَفْتُ الْعِدَا تَمَثَّلْتُ بَيْنَا بِحَالِي يَلِيقُ
فَبِاللَّهِ أَبْلَغُ مَا أُرْتَجِي وَبِاللَّهِ أَدْفَعُ مَا لَا أَطِيقُ

ترجمہ: جب میرا دل تنگ ہو جاتا ہے اور میں دشمن سے ڈرنے لگتا ہوں تو میں ایسا شعر پڑھتا ہوں جو میرے حال کے لائق ہے پس قسم بخدا! میں وہاں تک پہنچتا ہوں جو میں چاہتا ہوں پس اللہ کی مدد سے اس مشکل کو دور کرتا ہوں جس کی طاقت نہیں رکھتا۔

دوسرا شعر کسی دوسرے شاعر کا ہے جس پر شاعر کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ میں وہ شعر پڑھتا ہوں جو میرے حال کے مناسب ہے۔

نوٹ: اس سلسلے میں معمولی تبدیلی میں کوئی حرج نہیں۔ جیسے شاعر کا قول ہے

أَقُولُ لِمَعْشَرٍ غَلَطُوا وَغَضُّوا مِنَ الشَّيْخِ الرَّشِيدِ وَانْكُرُوهُ
هُوَ ابْنُ جَلَاءٍ وَطَلَّاعُ الشَّائِنَا مَنْ يَضَعُ الْعِمَامَةَ تَعْرِفُوهُ

ترجمہ: میں (یہودیوں کے) اس گروہ سے کہتا ہوں جنہوں نے حقوق پہنچانے میں غلطی کی

اور اس عقد بوڑھے سے نظر پھیر لی انہوں نے اسے اجنبی سمجھ رکھا ہے حالانکہ وہ غیر معمولی مشہور اور تجربہ کار شخص کا بیٹا ہے جب وہ دستار اتارے گا تو تم اسے پہچان لو گے۔
یہاں دوسرا شعر تفسیم کے لیے لایا گیا جو دوسرے شاعر کا ہے اور اس میں کچھ رد و بدل ہے اصل یوں تھا۔

أَنَا ابْنُ جَلَا وَطَلَّاعِ الشَّيَا. مَتَى أَضْعُ الْعِمَامَةَ تَعْرِفُونِي

عقد و حل

عقد کا مطلب نثری کلام کو منظوم بنانا ہے جب کہ منظوم کلام کو نثر میں بدلنا حل ہے عقد کی مثال یہ ہے۔

وَالظُّلُمُ مِنْ شَيْمِ النَّفُوسِ فَإِنْ تَجَدَّ

ذَا عِفَّةٍ فَلِعِلَّةٍ لَا يَظْلِمُ

ترجمہ: ظلم کرنا طبیعتوں کی خصلت سے ہے پس اگر تم کسی کو اس سے بچنے والا پاؤ تو وہ کسی وجہ سے ظلم نہیں کر رہا۔

اس میں کسی دانا کے قول کا عقد ہے (نثر سے نظم بنائی گئی) وہ نثری کلام یہ ہے۔

الظُّلْمُ مِنْ طِبَاعِ النَّفْسِ وَإِنَّمَا يَصُدُّهَا عَنْهُ أَحَدِي عِلَّتَيْنِ دُنْيَا وَهِيَ

خَوْفُ الْمَعَادِ وَدُنْيَا وَهِيَ خَوْفُ الْعِقَابِ الدُّنْيَوِيِّ

ترجمہ: ظلم نفس کی فطرت سے ہے اس سے صرف دو باتیں روکتی ہیں ایک دینی ہے اور وہ آخرت کا خوف اور دوسری دنیوی ہے اور وہ دنیوی سزا کا خوف ہے۔

حل کی مثال یہ ہے کہ کسی دانا کا نثری قول یوں ہے۔

الْعِيَادَةُ سُنَّةٌ مَا جَوْرَةٌ وَمُكَرَّمَةٌ مَا ثَوْرَةٌ وَمَعَ هَذَا فَتَحْنُ الْمَرْضَى

وَنَحْنُ الْعَوَادُ وَكُلُّ وَدَادٍ لَا يَدُومُ فَلَيْسَ بِوَدَادٍ

ترجمہ: بیمار پر سی سنت ہے جس پر اجر ملتا ہے اور ایک اچھا کام ہے جو نسل در نسل چل رہا ہے اس کے باوجود ہم بیمار بھی ہیں اور بیمار پرس بھی اور جو محبت دائمی نہ ہو محبت نہیں۔

اس نثری عبادت کو کسی نے نظم کی شکل دیتے ہوئے کہا

اِذَا مَرَضْنَا اتَيْنَاكُمْ نَعُوذُكُمْ وَتَلْذُنُونَ فَنَاتِيْكُمْ وَنَعْتَدِرُ

ترجمہ: جب ہم بیمار ہوتے ہیں تو بھی تمہارے پاس آ کر تمہاری عیادت کرتے ہیں اور جب تمہارا قصور ہوتا ہے تو ہم تمہارے پاس آ کر معذرت کرتے ہیں۔

تلمیح

متکلم اپنے کلام میں کسی آیت یا کسی حدیث یا کسی مشہور شعر یا کسی معروف مثل یا قصہ کی طرف اشارہ کرے تو اسے تلمیح کہا جاتا ہے۔ جیسے شاعر کا قول ہے۔

لَعَمْرُو مَعَ الرَّمْضَاءِ وَالنَّارِ تَلْتَظِي

أَرْقُ وَأَخْفَى مِنْكَ فِي سَاعَةِ الْكَرْبِ

ترجمہ: اللہ کی قسم! عمر و گرم زمین اور بھڑکتی ہوئی آگ کے ساتھ رہنے کے باوجود مصیبت کے وقت تم سے زیادہ مہربان شفیق ہے۔

اس شعر میں شاعر نے ایک دوسرے مشہور شعر کی طرف اشارہ کیا ہے جو اس طرح ہے

الْمُسْتَجِيرُ بِعَمْرٍو عِنْدَ كُرْبِهِ

كَالْمُسْتَجِيرِ مِنَ الرَّمْضَاءِ بِالنَّارِ

ترجمہ: جو شخص مصیبت کے وقت عمرو (جس اس بن مروہ) کی پناہ میں آتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو گرمی سے بچنے کے لیے آگ کی پناہ لیتا ہے۔

حُسن ابتداء

حُسن ابتداء یہ ہے کہ متکلم اپنے کلام کے شروع میں شیریں الفاظ عمدہ تراکیب اور صحیح معنی لائے۔

براعت استہلال

پھر جب یہ کلام مقصود کی طرف لطیف اشارے پر مشتمل ہو تو اسے براعت استہلال کہتے ہیں۔

جیسے مرض دور ہونے پر مبارک باد پیش کرتے ہوئے شاعر نے کہا

الْمَجْدُ عَوْفِي إِذَا عُوِفْتُ وَالْكَرَمُ

وَزَالَ عَنْكَ إِلَى أَغْدَاكَ النُّقْمُ

ترجمہ: (اے مدوح!) جب تمہیں صحت و تندرستی اور بخشش و کرم حاصل ہو جائے تو گویا شرف و کرم کو عافیت و تندرستی حاصل ہو گئی اور بیماری تم سے دور ہو کر تمہارے دشمنوں کی طرف چلی گئی۔

اسی طرح محل کی تعمیر پر ایک شاعر نے مبارک باد دیتے ہوئے کہا

قَصْرٌ عَلَيْهِ تَحِيَّةٌ وَسَلَامٌ خَلَعْتُ عَلَيْهِ جَمَالَهَا الْإِيَّامُ

ترجمہ: وہ ایک ایسا محل ہے اس پر تحیت و سلام ہوا اسے زمانے نے اپنی رونق اور جمال کا لباس پہنایا ہے۔

حُسن تخلص

متکلم کا اپنے ابتدائی کلام سے مقصود کی طرف اس طرح منتقل ہونا کہ دونوں کے درمیان مناسبت کا لحاظ رکھے۔ جیسے شاعر کا قول ہے

دَعَبَ النَّوَى بِفِرَاقِهِمْ فَتَشْتَوَا وَقَضَى الزَّمَانُ بَيْنَهُمْ فَتَبَدُّوْا
 دَهْرٌ ذَمِيمٌ الْحَالَتَيْنِ فَمَا بِهِ شَيْءٌ سِوَى جُودِ ابْنِ أَرْتَقٍ يُجْمَدُ
 ترجمہ: سفر کے ارادے نے ان کو جدائی پر مجبور کیا پس وہ بکھر گئے اور زمانے نے بھی ان
 کے درمیان فیصلہ کیا تو وہ جدا جدا ہو گئے زمانہ دونوں حالتوں میں قابلِ مذمت ہے لہذا اس
 کے ساتھ ابنِ ارتق کی سخاوت کے علاوہ کوئی چیز ایسی نہیں جس کی تعریف کی جائے۔
 یہاں اصل مقصود ابنِ ارتق کی تعریف کرنا تھا اس لیے شاعر ابتدائی کلام سے اس
 طرف منتقل ہو۔

براعۃ الطلب

طالب اپنے مانی الضمیر کی طرف اشارہ کرے واضح الفاظ میں بیان نہ کرے تو
 یہ براعۃ الطلب ہے جیسے شاعر کا قول ہے۔

وَفِي النُّفُسِ حَاجَاتٌ وَفِيكَ فَطَانَةٌ
 سَكُوتِي كَلَامٌ عِنْدَهَا رِخَابٌ

ترجمہ: دل میں حاجات ہیں اور تمہارے پاس ذہانت ہے حاجات کے وقت میری خاموشی
 کلام اور خطاب ہے۔

حسن انتہاء

کلام کے آخر میں شیریں الفاظ عمدہ ترکیب اور صحیح معنی لانا حسن انتہاء ہے اگر یہ
 ایسے الفاظ پر مشتمل ہو جو انتہاء کی خبر دیتے ہوں تو اسے براعۃ مقطع کہتے ہیں۔ جیسے شاعر کا
 قول ہے

بَقِيَتْ بَقَاءَ الدُّهْرِ يَا كَهْفَ أَهْلِهِ

وَهَذَا دُعَاءُ لِلْبَرِيَّةِ شَامِلٌ

ترجمہ: اے اپنے لوگوں کی پناہ تم زمانے کے باقی رہنے کے ساتھ باقی رہو اور یہ دعا تمام مخلوق کو شامل ہے۔

الحمد للہ آج ۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ 19 جولائی 2001ء بروز جمعرات صبح چھ

بج کر تیس منٹ پر یہ ترجمہ مکمل ہوا۔

محمد صدیق ہزاروی

مدرس: جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور